

تَقَابُلِ كَمَا كَانَ فِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَحَسْبُ نَبِيٍّ

خطبات مدراس

سید سلیمان ندوی

اداره مطبوعات طلبہ

۱۔ اے ذیلدار پارک اچھترہ، لاہور

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس
پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

ناشر :	عبد العزیز عابد
مہتمم :	ادارہ مطبوعات طلبہ اچھرہ لاہور
تاریخ اشاعت :	مئی ۱۹۹۵ء
تعداد :	ایک ہزار
مطبع :	میسٹرو پرنٹرز، لاہور
قیمت :	۶۰۰/-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلا خطبہ

انسانیت کی تکمیل صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی
سیرتوں سے ہوسکتی ہے

دنیا کا یہ طلسمی کارخانہ رنگارنگ عجائبات سے معمور ہے۔ قسم قسم کی مخلوقات ہیں۔ ہر مخلوق کی علیحدہ علیحدہ صفتیں اور خاصیتیں ہیں۔ جمادات سے لے کر انسان تک اگر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ تدریج اور آہستہ آہستہ ان میں احساسِ ادراک اور ارادہ کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ جمادات کی ابتدائی قسم مثلاً ذرات (ایٹمز) یا پتھر ہر قسم کے احساسِ ادراک اور ارادہ سے خالی ہے۔ جمادات کے اور اقسام میں ایک طرح کی زندگی کا ہلکا سا نشان ملتا ہے۔ نباتات میں احساسِ ایک غیر ارادی کیفیت نشوونما کی صورت میں جلوہ گر معلوم ہوتی ہے۔ حیوانات میں احساس کے ساتھ ارادہ کی حرکت بھی ہے۔ انسان میں احساسِ ادراک اور ارادہ پورے کمال کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ یہی احساسِ ادراک اور ارادہ ہماری تمام ذمہ داریوں کا اصل سبب ہے۔ مخلوق کی جس صفت میں جس حد تک چیزیں کم ہیں اسی حد تک وہ ارادی فرائض کی ذمہ داریوں سے آزاد ہے۔ جمادات سرے سے ہر قسم کے فرائض سے محروم ہیں۔ نباتات میں زندگی اور موت کے کچھ فرائض پیدا ہو جاتے ہیں۔ حیوانات میں کچھ اور فرائض بڑھ جاتے ہیں۔ انسانوں

کو دیکھئے تو وہ فرائض کی پابندیوں سے سراسر حکمراہ ہوا ہے۔ پھر انسان کے مختلف اقدار پر نظر ڈالئے تو مجنون، پاگل، بیوقوف، بچے ایک طرف اور عاقل، بالغ، دانا، ہشیار، عالم دوسری طرف اسی احساس ادراک اور ارادہ کی کمی و بیشی کے لحاظ سے اپنے اپنے فرائض کچھ نہیں رکھتے، یا کم رکھتے ہیں یا بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

دوسری حیثیت سے دیکھئے کہ جس مخلوق میں احساس ادراک اور ارادہ کی جتنی کمی ہے اتنی ہی فطرت اور قدرت الہی اس کی پرورش اور نشوونما کے فرائض کا بار خود اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہے اور جیسے جیسے مخلوقات آنکھیں کھولتی جاتی ہیں فطرت اس بار کو ان کے احساس و ادراک و ارادہ کے مطابق بہر صفت مخلوق پر ڈالتی جاتی ہے۔ پہاروں کے نعل و گہر کی پرورش کون کرتا ہے؟ سمند کی پھیلیوں کو کون پالتا ہے؟ جنگل کے جانوروں کی غور و پرداخت کا فرض کون انجام دیتا ہے؟ حیوانات کی بیماری اور گرمی سردی کی دیکھ بھال کون کرتا ہے؟ یہاں تک کہ سرد یا گرم مقامات کے رہنے والے حیوانوں اور پہاڑی، جنگلی اور صحرائی جانوروں میں بھی باوجود ایک ہی قسم کی نوع حیوان ہونے کے آب و ہوا کی مختلف ضروریات کی بنا پر آپ ان کی ظاہری حالتوں میں صریح فرق پائیں گے۔ یورپ کے کتے اور افریقہ کے کتے کی ضرورتوں میں موسم اور آب و ہوا کے اختلاف کے سبب سے جو اختلاف ہے اس کا سامان ہی فطرت خود اپنی طرف سے کرتی ہے اور اسی لئے مختلف آب و ہوا اور موسم کے ملکوں کے جانوروں میں پیچہ، بال، رویش، کھال کے رنگ اور دوسری

چیزوں میں سخت اختلافات پائے جاتے ہیں۔

یہ تو حصولِ منفعت کی صورتیں اور تشکیلیں تھیں جن سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ جہاں جس حد تک احساسِ ادراک اور ارادہ کی کمی ہے، فطرت اور قدرت خود اس کمی کی کفالت کر لیتی ہے اور جیسے جیسے مخلوقات الہی درجہ بدرجہ بلوغ کے مرتبہ کو پہنچتی جاتی ہے فطرت منافع کی صورتیں خود ان کے قوی کے سپرد کر کے علیحدہ ہوتی جاتی ہے۔ انسان کو اپنی روزی کا سامان آپ کرنا پڑتا ہے۔ وہ کاشتکاری اور درختوں کے لگانے اور میووں کے پیدا کرنا کی محنت اٹھاتا ہے۔ سردی گرمی سے بچنے کے لئے اس کو قطری کھالی روئیں اور اون نہیں دیئے گئے۔ اس کا سامان مختلف لباسوں کی شکل میں اس کو خود کرنا ہوتا ہے۔ بیماریوں اور زخموں کو دور کرنے کیلئے اس کو خود کوشش کرنی پڑتی ہے۔

دوسری طرف دیکھئے کہ جہاں جس حد تک احساس اور ارادہ کا ضعف ہے دشمنوں سے بچاؤ اور زندگی کی حفاظت کا سامان فطرت نے خود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ مختلف جانوروں کو ان کی حفاظت کیلئے مختلف ذرائع دیئے گئے ہیں۔ کسی کو تیز پیچھے، کسی کو نکیلے دانت، کسی کو سینگ، کسی کو اڑنا، کسی کو تیرنا، کسی کو تیز دوڑنے کی قوت، کسی کو ڈنگ کسی کو دانتوں کا زہر، غرض مختلف آلات واسلحہ سے خود فطرت نے ان کو مسلح کر دیا ہے۔ مگر غریب انسان کو دیکھو کہ اس کے پاس اپنے بچاؤ کے لئے نہ ہاتھی کے بڑے بڑے دانت اور سونڈ ہیں، نہ شیروں کے نکیلے دانت اور

پہنچے۔ نریلوں کے سینگ، نہکتوں اور سانپوں کا زہر نہ بھپوؤں اور
 بھڑوں کے ڈنگ، غرض ظاہری حیثیت سے وہ ہر طرح بہتا اور غیر مسلح
 بتایا گیا ہے مگر ان سب کی جگہ اس کو احساس، ادراک، تعقل اور ارادہ
 کی زبردست قوتیں دی گئی ہیں اور یہی معنوی قوتیں اس کی ہر قسم کی ظاہری
 کمزوریوں کی ملاحی کرتی ہیں اور اپنی ان معنوی قوتوں سے بڑے بڑے
 دانسوں اور سونڈوں والے ہاتھیوں کو زیر کر لیتا ہے۔ تیز پنچے اور بڑے
 جبرٹے والے شیروں کو چیر ڈالتا ہے۔ خوناک زہریلے سانپوں کو پکڑ لیتا
 ہے۔ ہوا کے پرندوں کو گرفتار کر لیتا ہے۔ پانی کے جانوروں کو پھنسا لیتا ہے
 اور اپنے بچاؤ کے لئے سینکڑوں قسم کے ہتھیار۔ اسلحہ اور سامان پیدا کرتا
 رہتا ہے۔

دوستو! تم خواہ کسی مذہب اور کسی فلسفہ کے معتقد ہو۔ تم کو یہ
 تسلیم کرنا ہو گا کہ تمہاری انسانی ذمہ داریوں کا اصلی سبب تمہارے احساس
 ادراک، تعقل اور ارادہ کی قوتیں ہیں۔ اسلام میں ان ذمہ داریوں کا شرعی
 نام تکلیف ہے۔ یہ تکلیف خود تمہارے اندرونی اور بیرونی قوی کے مطابق
 تم پر عاید ہے۔ اسلام کا خدا یہ اصول بتاتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا
 دیتا لیکن اسکی وسعت کی مطابق

یہی "تکلیف" کی ذمہ داری اور فرض ہے جو دوسری جگہ امانت کے
 لفظ سے قرآن میں ادا ہوا ہے۔ یہ امانت کا بار حجرات، تباہات، حیوانیت
 بلکہ بڑے پہاڑوں اور اونچے آسمانوں کے سامنے پیش کیا گیا لیکن ان

میں سے کوئی اس کو اٹھانہ سکا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلٰی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ

فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلَهَا وَاَشْفَقْنَ

مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ

اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا

(احزاب - ۹)

ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش کیا تو انہوں نے (فطری) عدم صلاحیت کی بنا پر یہاں سے اسکے اٹھانے سے انکار کیا۔

اور اس سے ڈرے۔ پھر انسان نے اسکو

اٹھالیا بیشک وہ ظالم اور نادان تھا۔

آسمان بار امانت نہ تو اٹت کشید قرعہ نال نیام من دیوانہ زدند

ظالم و نادان دیوانہ عشق کی دوسری تعبیر ہے۔ ظالم یعنی اپنی حد

سے آگے بڑھ جانے والا۔ یہ صفت انسان کی عقلی قوت کی بے اعتدالی کا او

جابل و نادان ہونا اس کی عقلی و ذہنی قوت کی بے اعتدالی کا نام ہے۔ مظلوم

کا مقابل عادل اور جہول کا مقابل عالم ہے۔ عدل اور علم جو بالفعل انسان

کو حاصل نہیں۔ ان کو حاصل کرنے کے لئے اس کی عقلی قوت میں عدل یعنی

میانہ روی اور اعتدالی اور ذہنی قوت میں علم اور معرفت کی ضرورت ہے

قرآن مجید کی اصطلاح میں عدل کا دوسرا نام ”عمل صالح“ اور علم کا دوسرا

نام ”ایمان“ ہے۔

وَالْعَصْرٰٓ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِفٰٓئِی

خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ (العصر)

زمانہ کی قسم بیشک انسان گھائے

میں ہے۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان

لائے اور نیک کام کئے۔

یہ نقصان اور گھانا وہی ظلمِ علمی اور جہلِ علمی ہے اور اس کا علاج

”ایمان“ یعنی علمِ صحیح اور ”عدل“ یعنی عملِ صالح ہے۔ اس واقعہ کی شہادت

میں کہ انسانیت اس وقت تک گھاٹے اور ٹوٹے میں ہے جب تک اس کو ایمان اور عمل صالح کی توفیق نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو پیش کیا ہے۔ زمانہ سے مقصود وہ واقعات، حوادث اور آثار ہیں جو زمانہ کے آغاز سے آج تک دنیا میں ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ کارلائل کے مشہور فقرہ کے مطابق "تاریخ صرف بڑے لوگوں کی سوانحیوں کے سلسلہ کا نام ہے"۔ زمانہ کی تاریخ خود اس بات پر گواہ ہے کہ دنیا میں وہ تمام قومیں اور قوموں کے وہ تمام افراد ہرگز گھاٹے اور ٹوٹے میں رہے ہیں اور برباد و ہلاک ہوئے ہیں جو ایمان اور عمل صالح سے محروم تھے۔

دنیا کے تمام آسمانی صحیفے، تمام مذہبی کتابیں۔ تمام اخلاقی قصے اور انسانوں کے بننے اور بگڑنے کی تمام حکایتیں، ظلم و جہل، اور ایمان و عمل صالح کی دو رنگیوں سے معمور ہیں۔ ایک طرف ظلم، جہل، شر، تاریکی اور دوسری طرف عدل، عمل صالح، خیر اور نور کی حکایتیں داستانیں اور تاریخیں ہیں اور جن افراد نے ان انسانی ذمہ داریوں کو قبول کیا ان کی تعریف اور جہتوں نے ان سے انکار کیا ان کی بُرائی کے بیانات ہیں۔ یونانی الیڈ۔ رومی پیرل لائوز۔ ایرانی شاہنامہ۔ ہندی مہا بھارت اور رامائن اور گیتا کیسا ہیں؟ ہر قوم کے سامنے اس کے بڑے بڑے اشخاص اور اکابر رجال کی زندگیوں سے علم و جہل، ظلم و عدل، خیر و شر اور ایمان و کفر کی معرکہ آرائیوں کی عبرت آموز مثالیں ہیں تاکہ ہر قوم ظلم، شر اور کفر

کے برے بیٹھوں سے بچ کر عدلیٰ خیر اور ایمان کی مثالوں سے فائدہ اٹھائے۔

تورات، انجیل، زبور، اور قرآن پاک کے بیشتر تصانیف کیا ہیں؟
ظالم، شریر اور کافر قوموں اور افراد کی تباہی اور عادل، نیک اور
مومن قوموں اور افراد کی سعادت اور فلاح و کامیابی کی نظریں، تاکہ
ان کو سن کر ظالم عادل بنیں، شریر نیک ہوں، اور کافر مومن بن جائیں
اسی لئے خاتم النبیین علیہ السلام سے پہلے ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں
خدا کے پیغمبر اور فرستائے آئے اور وہ اپنی اپنی قوموں کے سامنے
اپنی زندگی نمونہ کے طور پر پیش کریں تاکہ ان کی پوری قوم یا اس
کے نیک افراد فلاح اور کامیابی حاصل کریں۔ اور آخر میں آنحضرت
صلعم کو رحمت عالم بنا کر بھیجا گیا۔ تاکہ وہ تمام عالم کے لئے دنیا میں
اپنی زندگی کا نمونہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ جائیں۔ آنحضرت صلعم کی زبان
مبارک سے قرآن مجید نے یہ اعلان کیا :-

فَقَدْ بَشَّرْتُ بِبَيْتِكُمْ عُمَرًا مِّنْ

تو اے (قریشیو) میں اس

قَبْلِهِمْ أَقْلًا تَعْقِلُونَ۔ (دوس)

(دعوائے نبوت) سے پہلے تمہارے

درمیان ایک عمر رہا ہوں۔ کیا تم

نہیں سمجھتے۔

اس آیت پاک میں درحقیقت وحی الہی نے خود اپنے پیغمبر کی
سوانح عمری اور سیرت کو اس کی نبوت کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔

بہر حال تاریخ کی دنیا میں ہزاروں لاکھوں اشخاص نمایاں ہیں
جنہوں نے آنے والوں کے لئے اپنی اپنی زندگیاں نمونہ کے طور پر

بیش کی ہیں، ایک طرف شاہانِ عالم کے باشان و شکوہ دربار ہیں۔ ایک طرف سپہ سالاروں کے جنگی پرے ہیں۔ ایک طرف حکماء اور فلاسفوں کا متین گروہ ہے، ایک طرف قاضین عالم کی پُر حیلانِ صفیں ہیں، ایک طرف شعراء کی بزمِ رنگیں ہے۔ ایک طرف دولتمندوں اور خزانوں کے مالکوں کی نرم گدیاں اور کھنکھاتی تجوریاں ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک کی زندگی آدم کے بیٹوں کو اپنی اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کارِ تھج کاہنیالی۔ مقدونیہ کا سکندر۔ روم کا سیزر۔ ایران کا دارا۔ یورپ کا نیپولین۔ ہر ایک کی زندگی ایک کشش رکھتی ہے۔ سقراط افلاطون ارسطو، دیوجانیس اور یونان کے دوسرے مشہور فلسفیوں سے لے کر اسپتر تک تمام حکماء اور فلاسفوں کی زندگیوں میں ایک خاص رنگ

نمایاں ہے۔ نمرود۔ فرعون اور ابو جہل و ابولہب کی دوسری شخصیتیں ہیں۔ قارون کی ایک الگ زندگی ہے۔ غرض دنیا کے سٹیج پر ہزاروں قسم کی زندگیوں کے نمونے ہیں۔ جو بنی آدم کی عملی زندگی کے نئے سامنے ہیں۔ لیکن تباؤ کہ ان مختلف اصنافِ انسانی میں سے کس کی زندگی نفعِ انسان کی سعادت، فلاح اور ہدایت کی صامن اور کفیل اور اس کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

ان لوگوں میں بڑے بڑے فلاح اور سپہ سالار ہیں۔ جنہوں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے طبعی الٹ دیئے ہیں لیکن کیا انسانیت کی فلاح و ہدایت کے لئے انہوں نے کوئی نمونہ چھوڑا۔ کیا ان کی تلوار کی کاٹ میدانِ جنگ سے آگے بڑھ کر انسانی اولیاء

حیالاتِ فاسدہ کی بیڑیوں کو بھی کاٹ سکی؟ انسانوں کے باہمی برادرانہ تعلقات کی گتھی بھی سلجھا سکی؟ انسانی معاشرت کا کوئی خاکہ پیش کر سکی؟ ہماری روحانی مایوسیوں اور ناموسیوں کا کوئی علاج بنا سکی؟ ہمارے دلوں کی تباہی اور زندگی کو مٹا سکی؟ ہمارے اخلاق اور اعمال کا کوئی نقشہ بنا سکی؟

دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن حیاہی دنیا کے یہ شہنشاہ عملی دنیا میں بالکل بیکار ثابت ہوئے۔ اسی لئے افلاطون کے مشہور نظامِ حکومت میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی۔ ہومر سے لے کر آج تک فوری جوش و ہنگامہ کی پیدائش اور خیالی لذت و الم کی افزائش کے سوا نسلِ انسانی کو اس کی زندگی کے مشکلات دور کرنے کے لئے یہ لوگ کوئی صحیح مشورہ نہ دے سکے۔ کیونکہ ان کی شیریں زبانوں کے پیچھے ان کے حسنِ عمل کا کوئی خوشنما نمونہ نہ تھا اس لئے قرآنِ پاک نے کہا:-

وَالشُّعْرَاءُ يُتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ

الْمُتَوَكِّلِينَ فِي كُلِّ وَادٍ كَيْفَ يَمُوتُ

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

(شعراء، ع ۱۱) -

جو ایمان لائے اور نیک کام کئے

قرآنِ پاک نے ان کی شیریں زبانی کے بے اثر مومنوں کا فلسفہ

بھی بتا دیا کہ وہ حیالات کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے ہیں اور ایمان و

عملِ صالح کے جوہر سے خالی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اس دولت سے

مالا مال ہوں تو کچھ نہ کچھ ان کی باتوں میں ضرور اثر ہوگا۔ تاہم وہ اصلاحی
ہدایت کے عظیم اٹان فریضہ کو ادا نہیں کر سکتے۔ دنیا کی تاریخ خود اس
واقعہ پر گواہ ہے۔

حکما اور فلاسفر جنہوں نے بارہا اپنی عقل رسا سے نظام عالم
کے نقشے بدل دیئے ہیں۔ جنہوں نے عجائباتِ عالم کی طلسم کشائی کے
حیرت انگیز نظریے پیش کئے ہیں وہ بھی انسانیت کے نظامِ ہدایت
کا کوئی عملی نقشہ پیش نہ کر سکے اور نہ فرائضِ انسانی کی طلسم کشائی میں
کوئی عملی امداد دے سکے کہ ان کی دقیق نکتہ سمجھیوں اور بلند خیالیوں
کے پیچھے بھی حسنِ عمل کا کوئی نمونہ نہ تھا۔ ارسطو نے فلسفہ اخلاق کی بنیاد
ڈالی۔ ہریونیورسٹی میں اس کے ایتھکس پر بہترین لکچر دیئے جاتے ہیں۔
اور اخلاقی مسائل میں اس کی نکتہ آفرینیوں کی داد دی جاتی ہے،
لیکن سچ بتاؤ اس کو پڑھ کر یا سن کر نوعِ انسانی کے کتنے افسردہ
راہِ راست پر آئے۔ آج دنیا کی ہریونیورسٹی میں ایتھکس کے بڑے
بڑے لائق پروفیسر اور اساتذہ موجود ہیں مگر ان کے علمِ اخلاق کے
فلسفیانہ رموز و اسرار کا دائرہ اثر ان درسگاہوں کی چار دیواری سے
کبھی آگے بڑھ سکا؟ یا پڑھ سکتا ہے؟ اس لئے کہ جب ان کمروں
سے نکل کر وہ باہر میدان میں آتے ہیں تو ان کی عملی زندگی عام افراد
انسانی سے ایک پینچ بھی پلتد نہیں ہوتی اور انسان کانون سے نہیں
آنکھوں سے بنتا ہے۔

دنیا کے اسٹیج پر بڑے بڑے باہشاہ اور حکمران بھی روتے ہوئے ہیں

لیکن ان کے قانون کی عمر نے بقا کی دولت نہ پائی اور اس کے ماننے والوں کو دل کی صفائی کا راز نہ ملا۔ دوسرے دور کے حاکموں اور دانشوروں نے خود اس کو حوت غلط سمجھ کر مٹا دیا اور اپنی مرضی اور اپنی مصلحتوں کے مطابق نہ کہ انسانوں کی اصلاح کی خاطر اس کی جگہ دوسرا قانون بنا لیا اور آج بھی یہی حالت قائم ہے۔ آج اس مہذب دور حکومت میں بھی یہی صورت قائم ہے کہ آئین ساز مجلس بنائی گئی ہیں جو اپنے پر اجلاس میں آج جو بناتی ہیں کل اس کو مٹاتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ انسانوں کی خاطر نہیں بلکہ حکومتوں کی خاطر ہوتا رہتا ہے۔

عزیز دوستو! تم نے صنفِ انسانی کے بلند پایہ طبقوں میں سے جن سے انسانوں کی بھلائی اور سدا کی توقعات ہو سکتی ہیں ہر ایک کا جائزہ لے لیا۔ غور سے دیکھو اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی ادا چھائی کا نور ہے، جہاں کہیں بھی خلوص اور دل کی صفائی کا اجمالا ہے، کیا وہ صرف اپنی بزرگوں کی تعلیم اور ہدایت کا نتیجہ نہیں ہے۔ جن کو تم انبیائے کرام کے نام سے جانتے ہو؟ پہاڑوں کے غار۔ جنگلوں کے جھنڈ۔ شہروں کی آبادیاں غرض جہاں بھی رحم، انصاف، غریبوں کی مدد دہتیوں کی پرورش اور نیکیوں کا سراغ ملتا ہے وہ اسی برگزیدہ جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت اور پکار کا دائمی اثر ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق :-

إِنَّ مِنَ أُمَّةٍ الْأَخْلَاقِ فِيهَا
 كَوْنٌ قَوْمٌ هَيْسٌ حَسْبٌ مِّنْ ذُنُوبِهِمْ
 نَذِيرٌ - (فاطر)

کوئی قوم نہیں جس میں (کوئی انسان) کا
 ہیشیا کر نیوالانہ گذرا۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)

اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے۔

آج ہر قوم اور سرملک میں انہی کی برکتوں کا اقبال نظر آتا ہے۔ اور ہر طرف انہی کی پکاروں کی آواز بازگشت سنائی دیتی ہے۔ ان رفیقہ کے وحشی ہوں یا یورپ کے مہذب سب کے دلوں کی صفائی انہیں کے سرچشموں سے ہوتی ہے اور ہو رہی ہے۔ اوپر جتنے بلند پایہ اور عالی رتبت انسانی طبقوں کے نام آئے ہیں ان میں سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ وہ طبقہ ہے جو بادشاہوں کی طرح جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر حکومت کرتا ہے۔ اس کی حکمرانی کی زمین دنیا کی مملکت نہیں بلکہ دلوں کی مملکت ہے۔ یہ سالاروں کی طرح تنوع بکف نہیں تاہم وہ گناہوں کے پرے اور آلودگیوں کی صفیں دم کے دم میں الٹ دیتا ہے۔ وہ گو خیالی شاعر نہیں لیکن اس کی شیریں بیانیوں کے ذائقے سے اب تک انسانوں کے کام و دین لطف اٹھا رہے ہیں۔ وہ گونا گویا ہری طور پر قانون ساز اور مجلسوں کے سینٹر نہ تھے لیکن صدمہ اور ہزار ہا سال گذر جانے کے بعد بھی ان کا قانون اسی طرح زندہ ہے۔ جو خود حاکموں اور عدالتوں پر حکم ان ہے اور بلا تفریق شاہ گدا اور بادشاہ و رعایا سب پر یکساں جاری ہے۔

یہاں مذہب اور اعتقاد کا سوال نہیں بلکہ عملی تاریخ کا سوال ہے۔ کہ آیا یہ واقعہ ہے یا نہیں؟ یاٹلی پتر کے راجہ اشوکا کے احکام صرف پتھر کی لاٹوں پر کندہ ہیں مگر بودھ کا حکم دلوں کی تختیوں پر منقوش ہے۔ اجمین ہستناپور (دہلی) اور قنوج کے راجاؤں کے احکام مٹ چکے ہیں لیکن منوجی کا دھرم شاستر اب تک ناقد اور جاری ہے۔ بابل کے سب سے پہلے قانون ساز بادشاہ جمورابی کے قانونی دفتراں مدت ہوئی کہ مٹی کے ڈھیر میں دفن ہو گئے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم آج بھی موجود

ہے۔ فرعون کی نڈائے اَفَاذُ رَبِّكَ الْاَعْلٰی كَے دن قائم رہی؟ مگر حضرت
 موسیٰ علیہ السلام کے احوال کا آج بھی زمانہ معترف ہے۔ سولن کے بنائے
 ہوئے قانون کے دن چل سکے؟ مگر تورات کا آسمانی قانون آج بھی انسانوں
 میں عدل کی ترازو سہاں طرح ملک قانونس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عدالت
 میں گتھار ٹھہرایا تھا۔ صدیاں گزریں کہ معدوم ہو چکا مگر حضرت عیسیٰ کی تعلیم
 ہدایت آج بھی گتھکاروں کو نیک اور مجرموں کو پاک بنانے میں اسی طرح
 مصروف ہے۔ مکہ کے ابو جہل۔ ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی حکومتیں
 مٹ گئیں مگر شاہِ مدینہ کی فرمانروائی بدستور قائم اور مسلم ہے۔
 دستور امیرے گذشتہ بیانات نے اگر تمہارے دلوں میں تشفی کا
 کوئی اثر پیدا کیلئے ضرورت اپنے عقیدہ سے نہیں بلکہ عقلی استدلال اور
 دنیا کی عقلی تاریخ سے تمہارے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو گیا ہو گا کہ نبی روح
 انسان کی حقیقی بھلائی۔ اعمال کی نیکی۔ اخلاق کی بہتری۔ دلوں کی صفائی
 اور انسانی قومی میں اعتدال اور میاند روی پیدا کرنے کی کامیاب کوششیں
 اگر کسی طبقہ انسانی نے انجام دی ہیں تو وہ صرف انبیائے کرام کا طبقہ ہے
 جو خدا کے فرستادہ ہو کر اس دنیا میں آئے اور دنیا کو نیک تسلیم اور
 ہدایت دے کر اپنے بعد بھی لوگوں کے لئے چلنے کا ایک راستہ بنا کر
 چھوڑ گئے۔ جن کی تعلیم و عمل کے سرچشمہ سے بادشاہ اور رعایا۔ امیر و
 غریب، جاہل و عالم سب برابر کا فیض پائے ہیں۔

وَبَلَدٍ حَبَّتْنَا اٰتِنَا هَلَا تَوٰرٰهَمِ اور ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر اپنی

عَلٰی قَوْمِهِ دَنُرَقَمُ دَرَجَتٍ حجت پیش کرنے کیلئے، یہ دلیل عنایت کی۔

مَنْ نَشَاءُ طَاتِرًا رَّبِّكَ حَكِيمٌ ہم میں کو چاہتے ہیں بدرجہا بلند کر دیتے

عَلِيمٌ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ
 وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا
 هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ
 دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ
 وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ
 وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ
 وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِسْمَاعِيلَ
 كُلًّا مِمَّنْ أَفْضَلْنَا
 وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيُوسُفَ
 وَكَوْثُرًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا
 عَلَى الْعَالَمِينَ وَمِنْ
 آيَاتِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ
 وَأَخْوَابِهِمْ وَأَجْبَيْنَاهُمْ
 وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ
 مُسْتَقِيمٍ ۚ ذَٰلِكَ هُدَىٰ
 اللَّهِ يَهْدِي بِدِينِ
 مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ
 وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ
 عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
 أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

ہیں بیشک نیرا پروردگار حکمت والا اور علم والا
 ہے۔ اور ہم نے ان (ابراہیم کو اسحاق اور
 یعقوب عطا کئے ہر ایک کو (انہیں سے)
 ہدایت بخشی۔ اور ہم نے (ابراہیم سے) پہلے
 نوح کو ہدایت دی اور ان (ابراہیم) کی
 نسل سے داؤد اور سلیمان کو اور ایوب
 اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو ہدایت دی
 اور ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں
 اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور ایسا کو
 ہدایت دی۔ ہر ایک کے ان میں کمال
 لوگوں میں تھا۔ اور اسمعیل اور اسحاق
 اور یونس اور لوط کو ہدایت دی
 اور ان میں سے ہر ایک کو دنیا میں
 (اس کے زمانہ کے لوگوں) پر فضیلت
 بخشی اور ان کے بزرگوں اور ان
 کی اولادوں اور ان کے بھائیوں
 میں سے اور ان کو چنا اور ان
 کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کی۔
 یہی خدا کی ہدایت ہے۔ اپنے
 بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے
 ہدایت دیتا ہے۔ اگر وہ شرک
 کرتے تو ان کے سارے کام برباد

وَالنَّبِيُّ لَا فَاِنَّ يَكْفُرُ
بِهَآهُؤُلَا فَاَقْصَدُ
وَكَلْنَا بِهَآ قَوْمًا
لَّيْسُوْا بِهَآ يَكْفُرِيْنَ
اُولَئِكَ الَّذِيْنَ
هَدَى اللّٰهُ فَبِهَدْمِهِمْ
اَقْبَدْنَا (الانعام: ۱۰)

جاتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے
کتابِ قوتِ فیصلہ اور پیغمبریِ غایت
کی۔ تو اگر یہ لوگ جو ان کے نام لیوا
آج موجود ہیں۔ ان نعمتوں کی ناشکری
کریں تو ہم نے ان نعمتوں کو ایسے
لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے سپرد کر دیا جو
انکی ناقدری نہیں کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں
جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی تو تو بھی
انہی کی ہدایت کی پیروی کر۔

ان پاک آیتوں میں انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے
اصنافِ انسانی میں سے ایک خاص طبقہ کے پختہ افراد کے نام
بتائے گئے ہیں جن کی پیروی اور تقلید ساری روحانی بیماریوں کا
علاج اور اخلاقی کمزوریوں کا دوا ہے۔ یہی وہ مقدس گرو
ہے جو خدا کی بسائی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں میں
اپنی تعلیم و ہدایت کا چراغ روشن کرتا رہا۔ آج انسان کے سر پر
میں فلاح۔ سعادت۔ اخلاص۔ نیک اعمال اور بہترین زندگیوں کے
جو کچھ اثرات و نتائج ہیں وہ سب اپنی بزرگوں کے فیوض و برکات
ہیں۔ وہ جگہ جگہ اپنے نقشِ قدم چھوڑ گئے۔ اور دنیا کم و بیش انہی پر
چل کر اپنی کوششوں کی کامیابی کو ڈھونڈ رہی ہے۔

روح کا جوشِ تبلیغ۔ ابراہیم کا ولولہ توحید۔ اسحاق کی وراثت

پدری - اسماعیل کا ایشار - موسیٰ کی سعی و کوشش - ہارون کی فاقہ
 حق - یعقوبیہ کی تسلیم - داؤد کا غربت حق پر ماتم - سلیمان کا سرور و حکمت
 زکریا کی عبادت - یحییٰ کی عفت - عیسیٰ کا زہد - یونس کا اعترافِ قصور
 لوط کی جانفشانی - ایوب کا صبر - یہی وہ حقیقی نقش و نگار ہیں جن
 سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ ہے اور جہاں
 کہیں ان صفات عالیہ کا وجود ہے وہ انہی بزرگوں کی مثالوں اور
 نمونوں کا عکس ہے۔

انسانوں کی عمدہ معاشرت - صحیح تمدن اور اعلیٰ مسرت کی
 تکمیل اور کائنات کے اندر اس کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل
 کرانے میں یقیناً تمام کارکن طبقاتِ انسانی کا حصہ ہے۔ ہیئتِ انوں
 نے ستاروں کی چالیس بتائیں۔ حکماء نے چیزوں کے خواص ظاہر
 کئے۔ طبیعوں نے بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے۔ مہندسوں نے
 عمارتوں کا فن نکالا۔ صناعتوں نے ہنر اور فن پیدا کئے۔ ان سب
 کی کوششوں سے مل کر یہ دنیا تکمیل کو پہنچی اس لئے ہم ان سب کے
 شکر گزار ہیں۔ مگر سب سے زیادہ ممنون ہم ان بزرگوں کے ہیں
 جنہوں نے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کیا۔ جنہوں نے ہماری جڑوں کو
 کی اندرونی چالیس درست کیں۔ ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے
 ترتیب دیئے۔ ہمارے جذبات۔ ہمارے احساسات اور ہمارے
 ارادوں کے نفعیہ درست کئے۔ ہمارے نفوس و قلوب کے عروج و
 تنزلی کا فن ترتیب دیا۔ جس سے دنیا کے صحیح تمدن اور صحیح معاشرت کی

تکمیل ہوئی۔ اخلاق و سیرت انسانیت کا جو ہر قرار پایا۔ نیکی اور
یصلائی ایوانِ عمل کے نقش و نگار ٹھہرے۔ خداوند کا رشتہ ہم
مضبوط ہوا اور روتر اَلنَّسْتُ کا بھولا ہوا وعدہ ہم کو یاد آیا۔ اگر ہم
انسانی سرشت کے ان رموز و اسرار اور نیکی و سعادت کے ان پیغام
تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دنیا کبھی تکمیل کو پہنچ سکتی۔
اس لئے اس برگزیدہ اور پاک طبقہ انسانی کے احسانات ہم انسانوں
پر سب سے زیادہ ہیں اور اس لئے ہر فرد انسانی پر خواہ وہ کسی
صفت سے تعلق رکھتا ہو ان کی شکرگزاری کا اظہار واجب ہے اسی
نام اسلام کی زبان میں صلوٰۃ و سلام ہے جو ہمیشہ انبیائے کرام کے
نامِ نامی کے ساتھ ساتھ ہم ادا کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْہِم وَّسَلِّمْ۔
حضرات یہ نفوس قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر
گئے۔ اس عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں۔ ان کی زندگیاں خواہ
کتنی ہی مقدس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے
سرفراز نہ تھیں اس لئے آئندہ آنے والے انسانوں کے لئے جو
چیز رہبر ہو سکتی ہے وہ ان کی زندگیوں کی تحریری اور روایتی عکس
اور تصویریں ہیں۔ ہمارے پاس اس کے سوا اس سرمایہ سعادت کی
حفاظت کا کوئی اور طریقہ نہیں۔ دنیا میں پھلے جہد کے علوم، فنون،
حیالات، تحقیقات، واقعات اور حالات کے جاننے کا اس کے
علاوہ کوئی ذریعہ نہیں۔ انسانی زندگیوں کے انہی تحریری اور روایتی
عکسوں اور تصویروں کا نام تاریخ اور سیرت ہے۔ ہماری زندگی کے
دوسرے پہلوؤں میں ممکن ہے کہ ہر سانحہ زندگی میں کوئی نہ کوئی عبرت

بصیرت ہو۔ لیکن سہاری اخلاقی اور روحانی زندگی کی تکمیل و تزکیہ کے لئے صرف انبیائے کرام اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والی ہستیوں کی تالیفیں اور سیرتیں ہی کارآمد اور مفید ہو سکتی ہیں۔ اب تک دنیا نے اپنی سے فیض پایا ہے اور آئندہ بھی اپنی سے فیض پاسکتی ہے۔ اس لئے دنیا کا اپنے تزکیہ اور تکمیل روحانی کے لئے ان برگزیدہ ہستیوں کی سیرتوں کی حفاظت سے بڑا اہم فرض ہے۔

بہتر سے بہتر فلسفہ، عمدہ سے عمدہ تعلیم۔ اچھی سے اچھی ہدایت زندگی نہیں پاسکتی اور کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اگر اس کے پیچھے کوئی ایسی شخصیت اس کی حامل اور عامل ہو کر قائم نہیں ہے۔ جو سہاری توجہ محبت اور عظمت کا مرکز ہو۔ جس جہاز کو دیا نامی سے ہم اوائل فروری ۱۹۲۲ء میں حجاز و مصر سے واپس آ رہے تھے۔ اتفاق سے مشہور شاعر ڈاکٹر ٹیگور بھی اسی پر امریکہ کے سفر سے واپس ہوئے تھے۔ ایک رفیق سفر نے ان سے سوال کیا کہ برہموسماج کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟ حالانکہ اس کے اصول بہت منصفانہ صلح کل کے تھے۔ اس کی تعلیم تھی کہ سارے مذہب سچے اور کل مذہبوں کے بانی اچھے اور نیک لوگ تھے۔ اس میں عقل اور منطق کے خلاف کوئی چیز نہ تھی اور موجود تمدن موجودہ فلسفہ اور موجودہ حالات کو دیکھ کر بتایا گیا تھا۔ تاہم اس نے کامیابی حاصل نہ کی۔ فلسفی شاعر نے جواب میں کتنا اچھا نکتہ بیان کیا کہ یہ اس لئے ناکامیاب ہوا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی اور عملی سیرت نہ تھی جو سہاری توجہ کا مرکز بنتی۔ اور سہاری نیکو کاری کا نمونہ بنتی۔ اس نکتہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اپنے نبی کی سیرت

اور عملی زندگی کے بغیر ناکام ہے۔

غرض ہم کو اپنی ہدایت اور رہنمائی کے لئے معصوم انسانوں -
بے گناہ ہستیوں اور ہر حیثیت سے باکمال بزرگوں کی ضرورت ہے
اور وہ صرف انبیائے کرام ہیں۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین



(۲) عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل صرف محمد رسول اللہ صلیعہم کی سیرت ہے

دوستو! آج ہماری بزم کا دوسرا دن ہے۔ اس سے پہلے جو کچھ عرض ہو چکا ہے وہ پیش نظر ہے تو سلسلہ سخن آگے بڑھے۔ میری پھیلی تقریر کا حاصل یہ تھا کہ انسان کے حال مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لئے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے، جن مختلف انسانی طبقتوں نے ہم پر احسان کئے ہیں وہ سب شکر یہ کے مستحق ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے۔ وہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اُس زمانہ کے مناسب حال اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا۔ کسی نے صبر۔ کسی نے ایثار۔ کسی نے قربانی۔ کسی نے جوش توحید۔ کسی نے دلورہ حق۔ کسی نے تسلیم۔ کسی نے عفت۔ کسی نے نرید۔ غرض ہر ایک نے دنیا میں انسان کی پُرپیچ زندگی کے راستے میں ایک ایک معیار قائم کر دیا ہے جس سے صراطِ مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور راہبر کی جو اس سرے سے لیکر اُس سرے تک پوری راہ کو اپنے ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے

گو یا ہا سے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا گائڈ بک دیدے۔ جس کو لیکر اسی کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پائے۔ یہ رہنما سلسلہ انبیاء کے آخری فرد محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن نے کہا :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ
شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا
مُنِيرًا (احزاب - ۶۷)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا
اور (نیکیوں کو) خوشخبری سنانے والا
اور (عاقلوں کو) ہشیار کرنا والا اور خدا
کی طرف اسکے حکم سے پکارنا والا اور ایک

روشن کرنا والا چراغ بنا کر بھیجا ہے

آپ عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں نیکی کاروں کو فلاح و سعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں۔ ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں۔ ہشیار اور بیدار کرنا والا نذیر ہیں۔ ٹھکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں۔ اور خود ہر تن نور اور چراغ ہیں۔ یعنی آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستہ کی روشنی ہے۔ جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے۔ یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد داعی مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں۔ بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کیساتھ شاہد تھے جیسے حضرت یعقوبؑ۔ حضرت اسحاقؑ حضرت اسماعیلؑ وغیرہ بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ حضرت عیسیٰؑ۔ بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا جیسے حضرت نوحؑ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت شعیبؑ۔ بہت سے تھے جو انبیاء

حیثیت سے داعی حق تھے۔ جیسے حضرت یوسفؑ۔ حضرت یونسؑ۔ لیکن وہ جو شاید۔ بیشتر۔ نذیر۔ داعی۔ سراج منیر سب کچھ بیک وقت تھا۔ اور جس کے مرقع حیات میں یہ سائے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے۔ وہ صرف محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور یہ اس لئے ہوا کہ آپ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے جس کے بعد کوئی دوسرا آئیوا لانا تھا۔ آپ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی۔ جس کی تکمیل کے لئے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی۔ یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا۔ اس لئے آپ کی ذات پاک کو مجموعہ کمال اور دولت بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

دوستو! یہ جو کچھ میں نے کہا یہ میرے مذہبی عقیدہ کی بنیاد پر محض کوئی دعویٰ نہیں ہے بلکہ یہ وہ واقعہ ہے جس کی بنیاد دلائل اور شہادتوں پر قائم ہے۔

وہ سیرت یا نمونہ حیات جو انسانوں کے لئے ایک آئیڈیل سیرت کا کام دے۔ اس کے لئے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت | تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو سوانح اور حالات پیش کئے جائیں وہ تاریخ اور روایات کے لحاظ سے مستند ہوں۔ ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو۔ دذمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک سائیکالوجی یہ ہے کہ

کسی سلسلہ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فرضی اور خیالی ہے یا مشتبہ ہے تو خواہ وہ کسی قدر موثر انداز میں کیوں نہ پیش کیا جائے طبیعتیں اس سے دیر پا اور گہرا اثر نہیں لیتیں۔ اس لئے ایک کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم اجزاء کی تاریخی پر یقین ہو۔ یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر طبیعتوں میں پیدا ہوتا ہے وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کا ملکہ کا نقشہ محض دلچسپی یا فرصت کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ ہم اپنی زندگی اس نمونہ پر ڈھالیں اور اس کی پیروی و تقلید کریں لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں تو آپ کیونکر اس کے قابل عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرضی اور ملیتھا لوجیکل قصے ہیں جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا۔ اس لئے کیا پر اثر ہونے کے لئے اول کیا قابل عمل اور لائق تقلید ہونے کے لئے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے۔

ہم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں۔ اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن بعض اے قُلُوبِ الْتَّوَسَّلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ۔ یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے۔ دوام۔ بقار ختم نبوت اور آخری کامل انسان کی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ صلعم کو جو

خاص شرف عطا ہوا ہے وہ دیگر انبیاء کو اس لئے نہیں مرحمت ہوا کہ ان کو دائمی آسمانی اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا۔ انکی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا۔ اس لئے

اس زمانہ کے بعد بتدریج وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں۔ غور کرو کہ ہر ملک میں۔ ہر قوم میں۔ ہر زمانہ میں۔ ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے۔ ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر آئے مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں اور جتنوں کے نام جانتے بھی ہیں ان کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سے زیادہ قدیم اور پرانے ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے، گو وہ مسلم نہیں۔ لیکن بغور دیکھو کہ ان کے مذہب میں سینکڑوں کیرکٹروں کے نام ہیں مگر ان میں سے کسی کو تاریخاً ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے۔ ان میں سے بہتر سے بہتر کے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں۔ اور عیسائوں اور مسلمانوں کے میدان میں ان کا گز بھی نہیں۔ ان میں بہتر سے بہتر معلوم کیرکٹروہ ہیں جو ہا بھارت اور آمان کے ہیرو ہیں۔ مگر ان کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس کو کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ زمانہ کے کس دور اور دور کی کس صدی کے کس سال کے واقعے ہیں۔ اب یورپ کے بعض علماء بیسیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی یا تخمینہ زمانوں کی تعیین کرتے ہیں اور انہی کو ہائے ہندو تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں۔ لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر تو ان کو تاریخ کا درجہ بھی نہیں دیتے اور یہ تسلیم

ہنیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالم وجود میں بھی آئی تھیں۔
 ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اس بھی
 لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا مرکز ہے مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی آٹھ
 کے پردہ میں گم ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض
 شکی مزاج امریکی اور یورپین علماء کو شبہ ہے۔ مستشرقین میں سے جو
 لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں سینکڑوں قیاسات سے
 اس کے حالات زندگی کی کچھ کچھ تعیین کرتے ہیں تاہم وہ بھی مختلف
 محققین کی باہمی متضاد روایوں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان
 ان کے بھروسہ پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کر سکتا۔ زرتشت
 کی جائے پیدائش۔ سال پیدائش۔ قومیت، خاندان، مذہب، تبلیغ مذہب
 مذہبی صحیفہ کی اصیلت، زبان۔ سال وفات۔ جائے وفات۔ ان میں سے
 ہر ایک مسئلہ سینکڑوں اختلافات کا مرجع ہے اور صحیح روایتوں کا اس قدر
 فقدان ہے کہ بجز تخمینی قیاسات کے اور کوئی روشنی ان سوالات کی تاریخی
 کو دور نہیں کر سکتی۔ یا ایں ہمہ پارسى اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم
 براہ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یورپین اور امریکن اسکالرز
 کی تلقینات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو ان کے ذاتی
 ذرائع علم ہیں وہ فردوسی کے شاہنامہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ یہ عذر یہاں ہے
 کہ یونانی دستوں نے ان کو مٹا دیا۔ یہاں بہر حال ہم کو یہ بتانا ہے۔ کہ
 وہ مٹ گئے خواہ کسی طرح سے مٹے ہوں۔ اور یہی اس بات کی دلیل ہے
 کہ ان کو دوام اور بقا کی زندگی نہ ملی۔ اور کرن (KERN) اور ڈار میٹر
 (DAR METETER) جیسے محققین کو زرتشت کی شخصیت تاریخی سے انکار

کرنا پڑا۔

قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی ہندوستان چین اور تمام ایشیائے وسطیٰ - افغانستان - ترکستان تک پھیلا ہوا تھا اور اب بھی برما - سیام - چین - جاپان اور تبت میں موجود ہے ہندستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹا دیا۔ اور ایشیائے وسطیٰ میں اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ مگر تمام ایشیائے اقصیٰ میں تو اسکی حکومت اس کی تہذیب۔ اس کا مذہب تلوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے۔ اس وقت سے اب تک غیر مغرب ہے۔ لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں؟ اور ایک مورخ اور سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی ہیں؟ خود بودھ کے زمانہ میں وجود کی تعین مگدھ دکنش کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ ان کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے چینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے ایک بانی مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے۔ حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

ساتھی قوم میں سیکرٹوں پیغمبر آئے لیکن نام کے سوا تاریخ نے اور کچھ حال نہ جانا۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت زکریاؑ۔ حضرت یحییٰؑ کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا

سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزا تاریخ کی کڑیوں سے بہر حال گم
ہیں۔ اب ان کی مقدر زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک
کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید
کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں ان میں سے
ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں۔ اور اگر ان شکوک سے
ہم قطع نظر بھی کر لیں تو ان کے اندر ان بزرگوں کی تصویریں کس درجہ
ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا حال ہم کو تورات سے معلوم ہوتا ہے مگر خود وہ تورات
جو آج موجود ہے اہل تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مصنفین انسا بیکلو
پیڈیا برٹانیکا تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے صد ہا سال کے بعد عالم وجود
میں آئی ہے۔ اس پر بھی اب جرمن اسکالر میں نے پتہ لگایا ہے کہ موجودہ
تورات میں پہلو پہ پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا روایتوں کا
سلسلہ ہے جو یا ہم کہیں کہیں متضاد ہیں اور یہی سبب ہے کہ تورات کے
سوانح و واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضاد بیان سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس
تصویری کی تفصیل انسا بیکلو پیڈیا برٹانیکا کے اخیر ایڈیشن کے آرٹیکل
"بائبل" میں موجود ہے۔ اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰؑ بلکہ حضرت آدمؑ
سے کہ حضرت موسیٰؑ تمک کے واقعات کی تاریخی حقیقت کیا رہ جاتی ہے؟
حضرت عیسیٰؑ کے حالات انجیلوں میں درج نہیں۔ مگر ان بہت سی انجیلوں
میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے۔ باقی
انجیل طفولیت انجیل برناباس وغیرہ ناستند ہیں۔ ان چار انجیلوں میں
سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰؑ کو خود نہیں دیکھا تھا

انہوں نے کس سے سن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا یہ بھی معلوم نہیں۔ بلکہ
 ایسا تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف انکی نسبت
 کی جاتی ہے، وہ نسبت صحیح بھی ہے؛ یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں
 کہ وہ کن زبانوں میں اور کن زمانوں میں لکھی گئیں۔ سلسلہ سے لے کر
 بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مفسرین اناجیل ان کی تصنیف کا
 زمانہ بتاتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور تثلیث کی تعلیم
 ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور ریسرچرز یہ کہنے لگے
 ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کا وجود محض فرضی ہے۔ اور ان کی پیدائش اور تثلیث
 کا بیان یونانی عدومی تمھالوجی کی محض نقالی ہے۔ کیونکہ اس قسم کے خیالات
 ان قوموں میں مختلف دیوتاؤں اور پھر رومنوں کے متعلق پہلے سے موجود
 تھے۔ چنانچہ چیکاگو کے مشہور رسالہ روپن کورٹ میں ہینوں حضرت عیسیٰؑ
 کے فرضی وجود ہونے پر بحث رہی ہے۔ اس بیان سے عیسائی روایتوں کے
 ذریعہ سے حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی تاریخی حقیقت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے
کالیٹی کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کے لئے یہ بھی ضروری
 ہے کہ اس کے صحیفہ حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں
 کوئی واقعہ پردہ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم نہ ہو۔ بلکہ اس
 کے تمام سوانح اور حالات روبرو روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں
 تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک
 ایڈیل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے

اس معیار پر اگر شارین ادیان اور بائبل مذاہب کے سوانح
 اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی

ہستی اس معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اسی لئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ
 خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں
 لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مصلیٰ میں دین کے زمرہ میں سے صرف تین
 چار ہی ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخی کہی جاسکتی ہیں۔ لیکن کالمیت کے
 لحاظ سے وہ بھی پوری نہیں ہیں۔ غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے
 آج بدھ کے پیرو دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں۔ مگر
 یا اس ہر تاریخی حیثیت سے بدھ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں
 کا مجموعہ ہے۔ لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا درجہ دیکر
 بدھ کی زندگی کے ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش
 کریں تو ہم کو نا کامی ہوگی۔ ان قصوں اور کہانیوں سے ہم کو زیادہ سے
 زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیپال کی ترائی کے کسی ملک میں
 ایک راجہ کا لڑکا تھا جس نے فطرۃ سوچنے والی طبیعت پائی تھی جو ان
 ہونے اور ایک بچہ کا یا پ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت
 انسانوں پر پڑی۔ اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور وہ گھر بار چھوڑ
 کر دیس سے نکل گیا۔ اور بتارس گیا پانلی پتر (پٹنہ) اور راجگیر (بہار)
 کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرتا رہا اور خدا
 جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے گیا کے ایک درخت
 کے نیچے انکشافِ حقیقت کا دعویٰ کیا اور بتارس سے بہار تک اپنے نئے
 مذہب کا وعظ کہتا رہا۔ پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ خلاصہ ہے
 بودھ کے متعلق بہارے معلومات کا؟

زرشتشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے۔ مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیامت

کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ ان قیاسات کے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصہ معلومات انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے آرٹیکل زراسٹر سے یہاں نقل کرتے ہیں:

”زرتشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوتی ہے وہ نئے ادست کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے۔ وہ ٹھیک متضاد ہے۔ اس دوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا ہے) تاہم یہ توقع نہ کریں کہ ہم گاتھا سے زرتشت کے فیصلہ کن حالات جان سکتے ہیں وہ ہم کو زرتشت کی لائف کا کوئی تاریخی بیان نہیں دیتی اور جو کچھ ملتا بھی ہے اس کے معنی یا توصیف نہیں ہیں یا غیر مفہوم ہیں۔“

زرتشت کے متعلق موجودہ زمانہ کی تصنیفات کا باب شروع کرتے ہوئے یہ مضمون نگار لکھتا ہے۔

”اس کی جائے پیدائش کی تعین کے متعلق شہادتیں متضاد ہیں۔“

اس کے زمانہ کے تعین کے متعلق بھی یونانی مورخین کے بیانات

نیز موجودہ محققین کے قیاسات مختلف ہیں۔ مضمون نگار لکھتا ہے:-

”زرتشت کے زمانہ سے ہم قطعاً ناواقف ہیں۔“

بہر حال جو کچھ ہم کو معلوم ہے وہ یہ ہے کہ آذربائیجان کے کسی مقام میں پیدا ہوئے۔ بلخ وغیرہ کی طرف تبلیغ کی۔ ہشتاسپ بادشاہ نے اس کے مذہب کو اختیار کیا۔ کچھ اس نے غیر معمولی معجزے دکھائے۔ اس نے شادی بیاہ کیا۔ اولادیں ہوئیں اور پھر کہیں مر گیا۔ کیا ایسی

تا معلوم ہستی کے متعلق کوئی کالیبت کا گمان بھی کر سکتا ہے۔ اور اس
 کی زندگی انسانی سوسائٹی کے لئے چراغِ راہ بن سکتی ہے یا بنائی جا سکتی ہے
 انبیائے سابقین میں سب سے مشہور زندگی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کی ہے۔ موجودہ تورات کے مستند یا غیر مستند ہونے کی بحث سے
 قطع نظر کر کے ہم اس کے بیانات کو بالکل صحیح تسلیم کئے بیٹے ہیں۔ تاہم تورات
 کی پانچوں کتابوں سے ہم کو حضرت موسیٰ کی زندگی کے کس قدر اجزا ہاتھ آتے
 ہیں؛ جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ پیدا ہو کر فرعون کے گھر پرورش
 پاتے ہیں۔ جوان ہو کر فرعونوں کے مظالم کے خلاف بنی اسرائیل کی
 ایک دو موقعوں پر مدد کرتے ہیں۔ پھر مصر سے بھاگ کر مدین آتے
 ہیں۔ یہاں شادی ہوتی ہے اور معتدبہ زمانہ تک یہاں زندگی بسر کر کے
 مصر واپس جاتے ہیں۔ راہ میں نبوت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ فرعون
 کے پاس پہنچتے ہیں۔ معجزات دکھاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو مصر سے
 لے جانے کی رخصت چاہتے ہیں۔ رخصت نہیں ملتی۔ بالآخر غفلت میں
 مع اپنی قوم کے نکل جاتے ہیں۔ خدا کے حکم سے سمندر میں ان کو راہِ بل
 جاتی ہے، فرعون غرق ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنی قوم کو لے کر عربِ او
 شام میں داخل ہوتے ہیں۔ کانر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں
 اسی حالت میں جب وہ بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی
 پر ان کی وفات ہو جاتی ہے۔ توراتِ استثنیٰ کے اختتامی فقرے میں
 ہے:

”سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواب کی
 سرزمین میں مر گیا اور اس نے اسے مواب کی ایک وادی میں بیت

فقور کے مقابل گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔ اور موسیٰؑ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس برس کا تھا۔ اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی بنی نہیں ہوا۔ یہ تورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں۔ جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ان فقروں میں سب سے پہلے آپکی نظر اس پر پڑنی چاہیے کہ یہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزاء حضرت موسیٰ کی تصنیف نہیں، لیکن یا اس ہمہ دنیا حضرت موسیٰ کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲۔ ان دروس کے الفاظ "آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا۔ اور اب تک ویسا کوئی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا۔ تو ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسیٰ کے یہ تکمیلی اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں جس میں ایک مشہور یا دکار کو لوگ بھول جاسکتے ہیں۔ اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جاسکتی تھی۔

۳۔ حضرت موسیٰ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ مگر غور سے دیکھو کہ اس ۱۲۰ برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لئے ہم کو حضرت موسیٰ کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں۔ اور ان کے سوانح کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں، پیدائش۔ جوانی۔ ہجرت۔ شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں۔ پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان واقعات کو جاننے دیجئے۔ یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں انسان کو اپنی سوسائٹی کے عمل نمونہ کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہے

وہ اخلاق و عادات اور زندگی کے طور و طریق ہیں۔ اور یہی احسنراً حضرت موسیٰ کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے گم ہیں، ورنہ عام جزئی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب، مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور فتانویٰ قال و اقوال بہت کچھ تو راستہ میں مذکور ہیں مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ، کرائولوجی، نسب ناموں اور قانون دانی کے لئے کسی قدر ضروری کیوں نہ ہوں مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اور اجزائے سوانح کی کاملیت سے معزاً ہیں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰؑ ہیں جن کے پیرو آج یورپ میں مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے پیروؤں سے زیادہ ہیں۔ مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اسی مذاہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بائبلوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں۔ آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا بحال ہے کہ وہ بائبل و ایسیریا، عرب و شام، مصر و افریقہ، ہندوستان و ترکستان کے ہزار ہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں پہاڑوں اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لا رہا ہے اور دنیا کی تاریخ کے گتہ اور اوراق از سر نو ترتیب سے رہا ہے مگر اس کا مسیحائی بجز جس چیز کو زندہ نہیں کر سکتا وہ خود حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے مدون واقعات ہیں۔ پروفیسر ریان نے کیا کیا نہ کیا مگر حضرت عیسیٰؑ کے حالات زندگی نہ ملنا تھے نہ مل سکے۔ انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی۔ موجودہ انجیلیوں کی روایتیں اولاً تو نامعتبر ہیں اور جو کچھ ہیں بھی وہ صرف ان کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں۔ ہم کو

ان کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں: وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مہر لائے گئے۔ لڑکپن میں ایک دو معجزے دکھائے۔ اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں۔ اور پھر یک بیک تیس برس کی عمر میں پینسملیا اور پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے ماہی گیروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں۔ چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے چند نظامہ ہوتے ہیں۔ یہودی ان کو پکڑوا دیتے ہیں۔ رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیشی ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے۔ تیسرے دن ان کی قبر ان کی لاش سے خالی نظر آتی ہے۔ تیس برس اور کم انکم پچیس برس کا زمانہ کہاں گذرا اور کیونکر گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے اور رہے گی۔ ان تین آخری برسوں کے واقعات ہیں بھی کیسا ہے؟ چند معجزے اور مواعظ اور احقر سولی!

جامعیت کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے تیسری ضروری شرط جامعیت ہے۔ جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لیے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے وہ سب اس اسٹیل زندگی کے ایٹم میں موجود ہوں، اس نقطہ نگاہ سے کبھی دیکھتے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ السلام والصلوة نے کوئی دوسری شخصیت اس سیارہ پر پوری نہیں اترتی، مذہب کیا چیز ہے خدا اور بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں۔ ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا، دوسرے نغظوں میں یہ کہا جاسکتا

ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالاتے کا نام ہے، اس لیے ہر مذہب کے پیروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق، فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں، اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں، حقوق اللہ اور حقوق عباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات دیکھو تو دیکھیں گے تو پیغمبر اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

- مذاہب دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں اتنا خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ بودھ اور چین کے متعلق کہا جاتا ہے اس لیے ان مذہبوں میں تو خدا، اس کی ذات صفات اور دیگر حقوق الہی کا پتہ ہی نہیں، اور اس لیے ان کے بانیوں میں محبت الہی خلوص، توحید پرستی وغیرہ کی تلاش ہی بیکار ہے، دوسرے وہ مذاہب ہیں جنہوں نے خدا کو کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کیا ہے، ان مذہبوں کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات تصور ہیں، خدا کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہئیں، اور ان کے کیا اعتقادات تھے، اور ان کے اعتقادات پر ان کو کس قدر عملاً یقین تھا، اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں، پوری تورات پڑھ جاؤ، خدا کی توحید اور اس کے نام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ تورات کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰؑ کے تعلقات قلبی، اور طاعت و عبادت، اور خدا پر توکل و یقین، خدا کے صفات کاملہ والہیہ کی جلوہ گری ان کے قلب اقدس میں کہاں تک تھی، حالانکہ اگر موسیٰ مذہب ہمیشہ کے لیے اور آخری مذہب کے

طور پر آیا ہوتا تو اس کے پیروں کا فرض تھا کہ وہ ان واقعات کو تحریر میں لاتے، مگر خدا کی مصلحت یہ نہ تھی، اس لیے ان کو اس کی توفیق نہ ملی۔

حضرت کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے، انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰ کا باپ تھا، ہم کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے، بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے، کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی، وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف تھا، وہ اس کے آگے شب و روز میں کبھی جھکتا بھی تھا، اور آج کی روٹی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی، گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گزری جب وہ باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو، بھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر حضرت عیسیٰ کی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساٹھے تین سو برس کے بعد پہلے عیسائی بادشاہ کولین میں تین سو عیسائی علما کی مجلس اس کے فیصلہ کے لیے فراہم کرتی نہ پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابل فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوق عباد کی حیثیت کو لیجئے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبیین صلعم کے سوا تمام دیگر انبیاء علیہم السلام اور بانیان مذاہب کی سیرتیں خالی ہیں، جو وہ نے اپنے تمام اہل و عیال اور خاندان کو

چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا، اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو محبت تھی اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا، دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا، حکومت اور سلطنت کے باگراں سے سبکدوشی حاصل کی اور نردوان یا موت کے حصول کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا، ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بننے والوں کے لیے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و نوکر، باپ و بیٹے، بھائی و بہن، اور دوست و احباب کے تعلقات ہیں، یودھ کی سیرت کچھ کارآمد ہو سکتی ہے؟ کیا یودھ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تارک الدنیا بشکوکوں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لیے قابل تقلید ہو؟ اسی لیے اس کی زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والے کارباریوں کے لیے قابل تقلید نہ بنی، ورنہ چین و جاپان، سیام و ایام، تبت و برما کی تمام سلطنتیں، تجارتیں، صنایعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے، اور بھاتے آباؤ شہروں کے صرف سنسان جنگلوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰ کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے، اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لیے دنیاوی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے، میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی، دوست و احباب کے متعلق ان کا کیا طرز عمل تھا، صلح کے فرائض میں ان کا کیا دستور تھا، اپنے مال و دولت کو کون مفید کاموں میں انہوں نے لگایا، بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں

کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا اور ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیونکر فائدہ اٹھائیں، حضرت موسیٰؑ بھی رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، دوسرے اعزہ اور متعلقین رکھتے تھے، اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرز عمل یقیناً ہر حرف گیری سے پاک ہوگا، مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے جو ہمارے لئے قابل تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی ماں تھیں، اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھا مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرز عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ دنیا ہمیشہ انہی تعلقات سے آباد رہی ہے، علاوہ ازیں حضرت عیسیٰؑ نے محکومی کی زندگی بسر کی۔ اس لیے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے، وہ متاہل نہ تھے، اس لئے ان دو جوڑوں کے لئے جن کے درمیان تورات کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے، حضرت عیسیٰؑ کی زندگی تقلید کا کوئی سامان نہیں رکھتی، اور چونکہ دنیا کی بیشتر آبادی ستا ہلا نہ زندگی رکھتی ہے، اس لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر آبادی کے لیے ان کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی، جس نے گھر بار، اہل و عیال، مال و دولت، صلح و جنگ، دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو، وہ اس دنیا کے لیے جو انہی تعلقات سے دور ہے، کیونکر مثال ہو سکتا ہے،

اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کرے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے،
تمام ترقیاں دفعہ رک جائیں، اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ
کے لئے بھی زندہ نہ رہے۔

عملیت اور آئیڈیل لائف، کاسب سے آخری معیار عملیت سے، عملیت
سے یہ مقصود ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو،
خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو، اور خود اس کے عمل نے
اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ نظریہ، اور خوش آئند سے خوش
آئند اقوال، ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے، لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت
پیش کر سکتا ہے وہ عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل اس
کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی و فلیسفانہ نظریے نہیں، بلکہ
اس کے اعمال اور کارنامے ہیں، اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے
اور بے کی تمیز اٹھ جاتے اور دنیا صرف بات بنانے والوں کی سکن
رہ جائے، اب مجھے پوچھنے دیجئے کہ لاکھوں شارعین اور ہزاروں بانیاں
مذہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر تولنے کے لئے
آگے بڑھ سکتا ہے؟

تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو
دشمن کو پیار کر، جو تیرے واسطے گال پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے اپنا
بایاں گال بھی پھیر دے، جو تجھ کو ایک میل بے گال لے جاتے تو اس کے
ساتھ دو میل جا، جو تیرا کوٹ مانگے تو اس کو کرتا بھی دے دے، تو اپنے
تمام مال و اسباب کو خدا کی راہ میں دے دے، تو اپنے بھائی کو شرف و

معاف کر، آسمان کی بادشاہت میں دولت مند کا داخل ہونا مشکل سے ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں، مگر عمل سے ان کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا ٹکڑا نہیں، بلکہ وہ صرف معصومانہ شیریں زبانوں کا ایک مجموعہ ہیں، جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو، وہ عفو کی عملی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے، جس کے پاس خود کچھ نہ ہو، وہ غریبوں اور یتیموں اور مسکینوں کی مدد کیونکر کر سکتا ہے جو عزیز و اقارب، بیوی بچے نہ رکھتا ہو، وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کیلئے مثال کیونکر نکال سکتا ہے، جس نے بیماروں کی تیمار داری اور عیادت تنگی ہو، وہ اس کا وعظ کیونکر کہہ سکتا ہے جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو اس کی زندگی ہم میں سے غصہ ناک اور غصہ ور لوگوں کے لئے نمونہ کیسے بنے گی۔

غور فرمائیے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سلبی اور ایک ایجابی، مثلاً آپ پہاڑ کے ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لیے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہو گا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا، یعنی آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو آپ کے لئے قابل اعتراض ہو، مگر یہ تو سلبی تعریف ہوتی، ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی، محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گریٹوں کو سنبھالا، گمراہوں کو راستہ دکھایا، عفو، کرم، سخا، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق کی نصرت کے لیے، جوش، جدوجہد، مجاہدہ، اولے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری،

غرض تمام وہ اخلاق جن کا تعلق عمل سے ہے، وہ صرف سلب فعل اور عمل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گے، نیکیاں صرف سببی ہی پہلو نہیں رکھتیں، زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر ان کا مداغہ ہے، اس تقریر سے ظاہر ہو گا کہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو آئیڈیل لائف اور قابل تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جاسکتا، کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟ ہم کو تو صلح و جنگ، فقر و دولت، ازواج و تجرد، تعلقات خداوندی و تعلقات عباد، حاکمیت و مملکت، سکون و غضب، جلوت و خلوت، غرض زندگی کے ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہیے، دنیا کا پیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے، اس لیے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے کے لیے اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لیے عملی مثالوں کی ضرورت ہے، قوی نہیں بلکہ عملی، لیکن یہ کہتا شاعری خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرت محمدی کے سوا کوئی کو دوسری سیرت پوری نہیں اتر سکتی،

میں نے آج جو کچھ کہا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، میں یہ کہتا اور دکھانا چاہتا ہوں کہ آئیڈیل لائف، اور نمونہ تقلید بننے کے لیے جو حیات انسانی منتخب کی جاتی۔ ضرور ہے کہ اس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخت، جامعیت، کاملیت اور عملیت، میرا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں ان کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ ان کی سیرتیں جو ان کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود

ہیں، وہ ان کی خصوصیات سے خالی ہیں، اور ایسا ہونا مصلحت الہی کے مطابق تھا، تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ انبیاءؑ محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لیے تھے، اس لیے ان کی سیرتوں کو دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی، صرف محمد رسول اللہ ﷺ تمام دنیا کی قوموں کے لیے اور قیامت تک کے لئے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لیے آپ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل دائمی اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ
وَمَا تَرَى النَّبِيِّينَ وَالصَّلَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۳)

تاریخیت

آئیے اب ان چاروں معیاروں کے مطابق پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سیرۃ مبارکہ پر نظر ڈالیں، سب سے پہلی چیز تاریخیت ہے، اس اب میں تمام دنیا متفق ہے کہ اس حیثیت سے اسلام نے اپنے پیغمبر کی اور نہ صرف اپنے پیغمبر کی بلکہ ہر اس چیز کی اولاً اس شخص کی جس کا ادنیٰ سا تعلق حضرت کی ذات سے تھا، جس طرح حفاظت

کی ہے، وہ عالم کے لیے مایہ حیرت ہے ان لوگوں کو جو آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور متعلقاتِ زندگی کی روایت، تحریر اور تدوین کا فرض انجام دیتے تھے، راویانِ حدیث و روایت یا محدثین اور اربابِ سیر کہتے ہیں، جن میں صحابہؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ، اور بعد کے جو تھی صدی، ہجری تک کے اشخاص داخل ہیں، جب تمام سرمایہ روایت تحریری صورت میں آگیا، تو ان تمام راویوں کے نام و نشان، تاریخِ زندگی، اخلاق و عادات کو بھی تحریر میں لایا گیا، جن کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہے۔ اور ان سب کے مجموعہ اقوال کا نام اسماء الرجال ہے، مشہور ڈاکٹر اسپرنگر جو ۱۹۵۲ء اور اس کے بعد تک ہندوستان کے علمی و تعلیمی صیغہ سے متعلق تھے، اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے سیکرٹری تھے اور ان کے عہد میں خود ان کی محنت سے واقدی کی مغازی، دان کریر کی ایڈیٹر شپ میں ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی، اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں حافظ ابن حجر کی اصحاب فی احوال الصحابہ طبع ہوئی، اور جنہوں نے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ پہلے یورپین شخص ہیں جس نے خاص ابتدائی عربی ماخذوں سے "لائف آف محمدؐ" لکھی ہے، اور مخالفانہ لکھی ہے، وہ بھی اصحاب کے انگریزی مقدمہ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۵۳ء و ۱۹۵۴ء میں لکھتے ہیں:

» کوئی قوم دنیا میں ایسی گزری نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم ایشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہو، صحابہ کرام کی تعداد حیات نبویؐ کے اخیر سال حجۃ الوداع

میں تقریباً ایک لاکھ تھی ان میں گیارہ ہزار آدمی ایسے ہیں جن کے نام و نشان آج تک کسی صورت میں تاریخ کے اوراق میں جو خاص انہی کے حالات میں لکھے گئے ہیں، اس لیے موجود ہیں، کہ یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے کم و بیش آنحضرت صلعم کے احوال و افعال و واقعات میں کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تکسب پہنچایا ہے۔ یعنی جنہوں نے روایت کی خدمت انجام دی ہے۔ اور یہی سبب ان کی تاریخی زندگی کا ہے،

اللہ میں آنحضرت صلعم نے وفات پائی، اور تقریباً ۱۰۰ سال تک اکابر صحابہ عالم وجود میں رونق افزو رہے، ۶۰ سال تک اصغر صحابہ کی جو عہد نبوت میں کم سن تھے، خاصی تعداد موجود تھی، اور صدی کے ختم ہونے تک اس نور نبوت کا تقریباً ہر چراغ گل ہو گیا تھا، ہر شہر میں سب سے آخر وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سال وفات پانے والے صحابیوں کے نام اور سال

وفات یہ ہیں،

شمار	اسم گرامی	نام شہر	سال وفات
۱	ابو امامہ باہلیؓ	شام	۱۱۶ھ
۲	عبداللہ بن حارث بن جبزہؓ	مصر	۱۱۶ھ
۳	عبداللہ بن ابی اوفیؓ	کوفہ	۱۱۷ھ
۴	ساتب بن یزیدؓ	مدینہ	۱۱۷ھ
۵	انس بن مالکؓ	بصرہ	۱۱۷ھ

حضرت انس بن مالکؓ جنہوں نے اس فہرست میں سب

سے آخر جگر باتی ہے، وہ آنحضرت صلعم کے خادم خاص تھے،
دس برس تک متصل آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے ہیں،
وہ ۳۹ھ میں وفات پاتے ہیں۔

تابعین یعنی صحابہؓ کے تلامذہ کا دور سلو کے آغاز سے
اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گروہ پیدا ہو چکے تھے، مگر آنحضرت
کی زیارت سے محروم رہے، یا بہت بچے تھے اور آنحضرت صلعم
کا فیض نہ حاصل کر سکے، چنانچہ عبدالرحمن بن عمارت تابعیؓ

تقریباً ۳۷ھ میں قیس بن ابی حازمؓ ۳۸ھ میں سعید بن مسیبؓ
۳۹ھ میں پیدا ہو چکے تھے، یہ دکھانے کے لیے کہ صحابہ کے بعد
گروہ درگروہ تابعین جو دنیا سے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے
تھے اور رسول اللہ صلعم کے وقائع و حالات اور احکام و قضایا کی
تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں مصروف تھے، ان کی مجموعی تعداد
کیا ہوگی، میں صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے
حوالہ سے بتاتا ہوں، طبقہ اولیٰ یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنہوں
نے بڑے بڑے صحابہؓ کو دیکھا تھا، اور ان سے واقعات و
مسائل سنے تھے، ۱۳۹ھ، طبقہ دوم یعنی تابعی جنہوں نے
مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اور ان سے سننا ۱۲۹ھ ہیں، طبقہ
سوم وہ تابعین جنہوں نے متعدد یا کسی ایک صحابی کو دیکھا
اور ان سے سننا ۸۷ھ ہیں، اس طرح تابعین کی کل تعداد ۳۵۵ھ ہے،
یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے اسی سے مکہ، معطر، طائف، بصرہ
کوثر، دمشق، یمن، مصر، وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ لگاؤ

جو اپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرامؓ کے تلمذ کا شرف رکھتے ہیں اور جن کے شب و روز کا مشغلہ ہی آنحضرت صلعم کے قول و فعل کی اشاعت و تبلیغ تھی، اس اہتمام کو خیال کرو کہ ہر صحابیؓ سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا، اور گن لی گئیں، اس سے اندازہ کرو کہ آنحضرت صلعم کے حالات و اقوال کی فراہمی میں کس قدر تبلیغ اہتمام کیا گیا ہے، صحابہ کرامؓ میں سے جن اصحاب کی سب سے زیادہ روایتیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں

شمار	اسمائے گرامی	روایتوں کی تعداد	سال وفات
۱	حضرت ابو ہریرہؓ	۵۳۷۴	۵۹ھ
۲	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	۲۴۹۰	۴۸ھ
۳	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰	۵۸ھ
۴	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۹۳۰	۷۳ھ
۵	حضرت جابر بن عبداللہؓ	۱۵۹۰	۷۸ھ
۶	حضرت انس بن مالکؓ	۱۲۸۹	۹۳ھ
۷	حضرت ابوسعید خدریؓ	۱۱۷۰	۷۴ھ

یہی وہ لوگ ہیں جن کی روایات آج سیرت نبویؐ کا سب سے بڑا سرمایہ ہیں، ان کی وفات کی تاریخوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ان وفات کے سال اس قدر متاخرین کہ ان سے فیض اٹھانے اور ان کی روایتوں کو حفظ اور تدوین کرنے والوں کی تعداد بیشمار

ہوگی، انہی باتوں کی واقفیت اور آگاہی کا نام اس زمانہ میں علم تھا، اور وہ دینی اور دنیاوی دونوں عزتوں کا ذریعہ تھیں، اس لیے ہزاروں صحابہؓ نے جو کچھ دیکھا اور جانا ہے، آنحضرت صلعم کے حکم بَلِّغُوا عَنِّي: (مجھ سے جو کچھ سنو اور دیکھو اس کی اشاعت کرو) یا قَلِّبْ بَلِّغِ الشَّاهِدَ الْعَائِبِ۔ (جو مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اور مجھ سے سن رہے ہیں، وہ ان کو مطلع کر دیں، جو اس سے محروم رہے ہیں) کے مطابق وہ سب اپنی اپنی اولادوں، عزیزوں، دوستوں، اور ملنے والوں کو سناتے اور بتاتے رہتے تھے کہی ان کی زندگی کا کا اور یہی ان کے روز و شب کا مشغلہ تھا، اس لیے صحابہؓ کے بعد فوراً ہی دوسری نوجوان پودہ ان معلومات کی حفاظت کے لیے کھڑی ہو گئی، ان میں سے ہر ایک کو ہر واقعہ کا لفظ یاد کرنا پڑتا تھا، ان کو دہرانا پڑتا تھا، اور حرفاً حرفاً محفوظ رکھنا پڑتا تھا، آنحضرت صلعم نے یہاں اپنے اقوال و افعال کی اشاعت کی تاکید کی تھی، وہاں یہ بھی تہدید کر دی تھی کہ "جو کوئی میرے متعلق قصداً کوئی غلط یا جھوٹ بات بیان کرے گا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا،" اس اعلان کا یہ اثر تھا کہ بڑے بڑے صحابہؓ روایت کرتے وقت کانپنے لگتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ آنحضرت صلعم کی کوئی بات نقل کی، تو چہرے کا رنگ بدل گیا، تھرا گئے پھر کہا "و حضور نے ایسا ہی فرمایا تھا،"

عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا، وہ سیکڑوں شعر کے قصیدے زبانی یاد رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جس

وقت سے جس قدر کام لیا جائے اس قدر زیادہ اس کو ترقی ہوتی تھی صحابہؓ اور تابعینؒ نے قوتِ حفظ کو سہراچ کمال تک پہنچایا، وہ ایک ایک واقعہ اور ایک ایک حدیث کو اس طرح زبانی سن کر یاد کرتے تھے، جیسے مسلمان قرآن مجید یاد کرتے ہیں، ایک ایک محدث کہتی کہی ہزار اور کہتی کہی لاکھ حدیثیں زبانی یاد کرتا تھا، اور یاد رکھتا تھا، اور گو بعد میں لوگ اپنی یادداشت کے لئے لکھ بھی لیتے تھے مگر جب تک وہ زبانی یاد نہ رکھتے اہل علم کی نگاہوں میں ان کی عزت نہیں ہوتی تھی اور وہ خود اپنی تحریری یادداشتوں کو عجیب طرح چھپاتے تھے تاکہ لوگ ایسا نہ سمجھیں کہ ان کو یہ چیزیں یاد نہیں ہیں۔

دوستو! بعض اور ٹیکسٹ اسکالرز، اور بعض پڑھے لکھے

شعریوں نے جن میں سبب سے آگے سر ولیم میور اور گولڈزیر ہیں، اس بنا پر کہ روایات نبوی کی تحریر و تدوین کا کام آنحضرت صلعم کی وفات کے ۹۰ برس بعد شروع ہوا، ان کی صحت اور ذوق میں شک پیدا کرنا چاہا ہے، مگر ہم نے جس طرح اوپر تفصیل آپ کے سامنے پوری روداد رکھی ہے اور بتایا ہے کہ صحابہ کس طرح واقعات کو یاد رکھتے تھے، کس طرح احتیاط کرتے تھے، کس طرح آنی والی نسلوں کو وہ امانت سپرد کرتے تھے، اس سے خود اندازہ ہو گا کہ گو وہ روایات تحریری صورت میں بہت بعد کو آئی ہوں تاہم ان کی صحت اور ذوق میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

صحابہؓ نے اپنی معلومات کو عموماً تین اسباب سے قید تحریر میں لانا

مناسب نہیں سمجھا۔

۱۔ ابتداءً آنحضرت صلعم نے قرآن مجید کے علاوہ کسی چیز کو کتاب کی صورت میں رکھنے کی مسانعت کر دی، اور فرمایا تھا کہ قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ نہ لکھو۔ لَا تَلْکُتُبُوا عَنی غَیْرَ الْقُرْآنِ، اور یہ اس لیے تھا کہ عام لوگوں کو قرآن اور غیر قرآن میں باہمی البتاس نہ ہو جائے، چنانچہ جب قرآن مسلمانوں میں پوری طرح محفوظ ہو گیا، تو آخر میں خود آنحضرت صلعم نے بعض صحابہ کو احادیث کی تحریر کی اجازت دیدی، اس پر بھی اکثر صحابہ ان کو قید تحریر میں لانے سے انہیں دم تک احتیاط برتتے رہے

۲۔ صحابہؓ کو ڈر تھا کہ وقائع کے تحریری صورت میں آجانے کے بعد لوگوں کو پھر ان کے ساتھ وہ اعتناء، توجہ اور مشغولیت باقی نہیں رہے گی، اور لوگ تحریری مجموعہ کے موجود رہنے کے سبب سے ان کے حفظ اور زبانی یاد رکھنے کی محنت سے جی چرائیں گے، یہ ڈر بالکل صحیح ثابت ہوا، چنانچہ جیسے جیسے سفینوں کا علم بڑھتا گیا۔ سینوں کا علم گھٹا گیا، نیز اسی سلسلہ میں ان کو یہ خیال تھا کہ ہر کس و ناکس کتاب کے مجموعہ کو ہاتھ میں لے کر عالم بننے کا دعویٰ کر بیٹھے گا، چنانچہ یہ بھی ہوا

۳۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ ابھی تک عرب میں کسی واقعہ کو لکھ کر اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا معیوب سمجھا جاتا تھا لوگ اس کو اپنی کمزوری کا اعلان کرتے تھے، اس لیے کوئی چیز تحریر کر لیتے تو اس کو چھپاتے رکھتے تھے۔

محدثین کا خیال تھا کہ زبانی یادداشت تحریری یادداشت سے زیادہ محفوظ صورت ہے، یادداشت کو دوسروں کے تصرف سے محفوظ نہیں رکھا جاسکتا، ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ کوئی اس میں کسی بیشی نہ کر دے مگر جو نقوش دلوں کی لوحوں پر کندہ ہو جاتے ہیں، ان میں تغیر و تبدل ممکن نہیں

آج پہلی دفعہ آپ کی مجلس میں، اور سب سے پہلے آپ کی مجلس میں اس حقیقت کو آشکارا کیا جاتا ہے، کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ سورس یا نوے برس تک واقع اقوال نبوی کا دفتر صرف زبانی روایتوں تک محدود رہا۔ اس غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ احادیث و اخبار نبوی کی پہلی کتاب

امام مالک کی سوطا اور سخاری و سرت میں ابن اسحاق کی کتاب السناری سمجھی جاتی ہے یہ دونوں بزرگوار محدثین اور ائمہ میں ہوتی اس لیے اخبار و سیر کی سب سے پہلی تدوین

کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا اوائل سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس سے بہت پہلے احادیث و اخبار کی ترتیب و تدوین کا سراغ ملتا ہے، حضرت عمر بن

عبدالعزیز نے ۱۰۰ھ میں وفات پائی، جو خود بڑے عالم تھے امدینہ کے امیر بھی رہ چکے تھے، ۱۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے، انہوں نے اپنی خلافت کے

زمانہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن محمد عمرو بن حزم کو جو حدیث و خبر کے بڑے امام تھے، فرمان بھیجا کہ آنحضرت صلعم کے سنن و اخبار کی تحریر و

تدوین کا کام شروع کرو، کیونکہ مجھے رفتہ رفتہ علم کے گم ہو جانے کا ڈر ہو رہا ہے یہ واقعہ تعلیقات بخاری، سوطا اور مسند داری وغیر میں مذکور ہے

چنانچہ اس فرمان کی تعمیل کی گئی، اور اخبار و احادیث و سنن و فقاہت میں لکھ کر دار الخلافہ میں آئے، اور ان کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ کے مرکزی

شہروں میں بھی گئیں، ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم کا انتخاب اس کام کے لیے اس لیے ہوا کہ وہ خود امام تھے مدینہ العلم مدینہ منورہ میں قاضی وقت

تھے، لیکن اس کے علاوہ اس لیے بھی یہ انتخاب سوزون تھا، کہ ان کی خال عمرہ، حضرت عائشہ کی سب سے بڑی شاگرد تھیں، اور ان کی روایتیں

جو حضرت عائشہ سے تھیں ان کا سرمایہ ابوبکر بن حزم کے پاس پہلے سے

جمع تھا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کو خاص عمرہ کی رولتوں کی تدوین کے متعلق بھی حکم دیا تھا۔

عہد نبوی کا تحریری سرمایہ | آگے بڑھ کر ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ

خود عہد نبوی ہی میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ جمع ہونا شروع ہو چکا تھا، فتح مکہ کے موقعہ پر آپ نے ایک خطبہ دیا تھا،

صحیح بخاری میں ہے، کہ ابو شاہ ایک یمنی صحابی کی درخواست پر آپ

نے یہ خطبہ لکھ کر ان کے حوالہ کرنے کا حکم دیا (باب کتابت العلم، آنحضرت

صلعم نے سلاطین عالم کے نام جو خطوط روانہ کیے وہ لکھے ہوئے تھے

دس پندرہ برس ہوئے کہ مصر میں آپ کا وہ خط جو تقوس شاہ مصر

کے نام آپ نے بھیجا تھا، ایک عیسائی گرجے کی کسی کتاب کی جلد میں

لگا ہوا ہے، گمان کیا جاتا ہے کہ وہ بعینہ وہی نام ہے جو آپ نے لکھا

تھا، اس کے نوٹو عام طور سے ملتے ہیں، یہ پرانے عربی خط میں ہے، اور

اس کی بعینہ وہی عبارت ہے، اور سہریں نام کے وہی الفاظ اور صورت

تعمیر ہے۔ جس طرح حدیثوں میں بیان آیا ہے، یہ اسلامی روایات

کی صداقت کی کتنی بڑی دلیل ہے، جو ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ

بن عمرو بن عاص کے سوا مجھ زیادہ کسی کو حدیث یاد نہیں، مجھ سے زیادہ

ان کے پاس حدیثوں کا سرمایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلعم

سے جو کچھ سنتے اس کو لکھتے جاتے تھے، اور میں لکھتا تھا بخاری باب

کتاب العلم، ابو داؤد اور سند ابن حنبل میں ہے کہ بعض لوگوں نے عبد اللہ

بن عمرو سے کہا کہ آنحضرت صلعم کبھی غصہ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی

خوش رہتے ہیں اور تم سب کچھ لکھ لیتے ہو، عبداللہ بن عمروؓ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے وہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ لکھا ہے، (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۷۷)، عبداللہ بن عمروؓ نے اپنے اس مجموعہ کا ۲۲۴ صادق رکھا تھا، (ابن سعد ج ۲ قسم ۲ ص ۱۲۵) اور کہا کرتے تھے کہ مجھے اپنی زندگی کی آرزو صرف دو چیزوں نے پیدا کر دی ہے، جن میں ایک یہ صادق ہے، اور صادق وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا ہے، (دارمی ۶۹) مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن عمروؓ صحابی کے پاس ایک کتاب رکھی دکھی، دریافت کیا کہ یہ کیسے؟ فرمایا یہ صادق ہے، جس کو میں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا، جس میں میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں ہے، (ابن سعد ۲-۲-۱۲۵)

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے مدینہ آنے کے کچھ مدت بعد مسلمانوں کی سردم شماری کرائی اور ان کے نام لکھوائے تو پندرہ سو ہوتے، (باب الجہاد) زکوٰۃ کے احکام، مختلف چیزوں پر زکوٰۃ اور اس زکوٰۃ کی مختلف شرحیں جو پورے دو صنفوں میں ہیں، ان کو لکھوا کر آنحضرت ﷺ نے امراء کو بھیجا تھا، اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس ابوبکر بن عمر بن حزم کے خاندان میں، اور متعدد اشخاص کے پاس موجود تھیں (دارقطنی کتاب الزکوٰۃ ۲۰۹) زکوٰۃ کے محصلین کے پاس دیگر تحریری ہدایتیں بھی موجود تھیں (دارقطنی ۲۰۲) حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ تھا، جو ان کی کوار کی نیام میں پڑا رہتا تھا، اس میں متعدد حدیثیں متعلقہ احکام طلبینہ

تھیں اور انہوں نے اس کو لوگوں کی درخواست پر دکھایا۔ بخاری ۲ صفحہ ۱۰۸۴ و ۱۰۲۰ حدیث میں جو صلح نامہ آنحضرت صلعم اور کفار قریش کے درمیان حضرت علیؑ نے لکھا تھا اس کی ایک نقل قریش نے لے لی، اور ایک آنحضرت صلعم نے اپنے پاس رکھی، (ابن سعد مغازی ص ۱۷)، عمرو بن حزم کو جب رسول اللہ صلعم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک تحریر لکھوا کر حوالہ کی جس میں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے متعلق بہت سی باتیں تھیں، کنز العمال ۲ صفحہ ۱۸۶ عبداللہ بن الحکیم کے پاس رسول اللہ صلعم کا نامہ پہنچا یا جس میں مردہ جانور کے متعلق حکم درج تھا (مجموع صغیر طبرانی صفحہ ۲۱۷) واکل بن حجر صحابی جب بارگاہ نبوی سے اپنے وطن حضرموت جانے لگے تو آنحضرت صلعم نے ان کو خاص طور پر ایک نامہ لکھوا کر دیا جس میں نماز، روزہ، ریو، شراب اور دیگر احکام تھے، (طبرانی صغیر صفحہ ۲۲۲)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے جمع سے پوچھا کہ کسی کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم نے شوہر کی دیت میں سے بیوی کو کیا دلایا؟ سخاک بن سفیان نے کھڑے ہو کر کہا، مجھے معلوم ہے، آنحضرت صلعم نے ہم کو یہ لکھوا کر بھیجا تھا، (دارقطنی ۲ صفحہ ۲۸۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد خلافت (۹۹ھ - ۱۰۱ھ) میں آنحضرت صلعم کے فرمان متعلق صدقات کی تلاش کے لئے اہل مدینہ کے پاس قاصد بھیجا تو وہ آل عمرو بن حزم کے ہاں مل گیا (دارقطنی ۲۵۱) آپ نے اہل یمن کو جو احکام لکھوا کر بھیجواتے تھے، ان میں یہ سکتے تھے قرآن صرف پاکی کی حالت میں چھوا جاتے، غلام خریدنے سے پہلے آزاد

نہیں کیا جاسکتا، اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں (اداری صفحہ ۲۹۳) حضرت معاویہؓ نے آنحضرت صلعم سے لکھ کر غالباً یمن سے یہ دریافت کیا کہ کیا سبزیوں میں زکوٰۃ ہے؟ آپ نے تحریر ہی جواب دیا کہ سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں (دارقطنی صفحہ ۲۵) مروان نے خطبہ میں بیان کیا کہ مکہ حرم ہے، رافع بن خدیج صحابیؓ نے پکار کر کہا اور مدینہ بھی حرم ہے اور یہ حکم بھی میرے پاس لکھا ہوا ہے، اگر تم چاہو تو میں اس کو پڑھ کر سناؤں یہ (ابن حنبل ج ۳ ص ۱۲۱) صناک بن قیس نے نعمان بن شیبہ صحابیؓ کو لکھا کہ آنحضرت صلعم جمعہ کی نماز میں سورۃ جمعہ کے سوا اور کون سی سورۃ پڑھتے تھے، انہوں نے جواب لکھا کہ هَلْ أَتَىكَ (مُحَمَّدٌ) حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرت صلعم نے حرم پر پہننے سے منع فرمایا ہے (مسلم ۲ - ۳۰۷)۔

یہ احکام و مسائل ہیں جو آنحضرت صلعم نے مختلف لوگوں کو لکھا کر دیئے، یا بھجواتے، ہمارے پاس ایسے شواہد بھی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صحابہ احکام و سنن کو کتابی صورت میں لکھتے یا لانا چاہا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مجموعہ اپنے زمانہ خلافت میں مرتب کیا، پھر اس کو پسند نہ کیا، اور مٹا دیا، (تذکرہ الحفاظ) حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ پر اپنے زمانہ خلافت میں غور کیا، اور بہت کچھ سوچتے رہے، مگر پھر بہت نہ کی، ابھی آپ سن چکے ہیں، کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے خود آنحضرت صلعم کی اجازت سے ایک نسخہ لکھا تھا، جس میں آپ کے ملفوظات تھے، مختلف لوگ اس کو دیکھنے آتے تھے، اور وہ اس کو دکھاتے تھے، (ترمذی ۵۸۶) حضرت علیؓ کے

فتادی کا بڑا حصہ لکھا ہوا حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں لایا گیا (اسلم مقدم) حضرت عبداللہ بن عباس کی روایتوں کہ مختلف تحریری مجموعے تھے، اہل طائف میں سے کچھ لوگ ان کا ایک مجموعہ ان کو پڑھ کر سناتے کے لیے لاتے (کتاب العلل ترمذی صفحہ ۶۹۱) سعید بن جبیر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے، (دارمی ۶۹) عبداللہ بن عمروؓ کا صحیفہ صادقہ ان کے پوتے عمر بن شعیب کے پاس موجود تھا، (ترمذی ۱۱۳۹) اور یہ بیچا سے اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے کہ وہ اپنے دادا کی کتاب دیکھ کر روایت کرتے ہیں، خود حافظ نہیں ہیں (تہذیب ۱-۴۹) حضرت جابر بن عبداللہ کی روایتوں کا مجموعہ وہب تابعی نے تیار کیا تھا جو اسمعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا اور وہ اس لیے ضعیف سمجھے جاتے تھے (تہذیب ج ۱ ص ۳۱۶) حضرت جابرؓ کی روایتوں کا دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس یشکری نے تیار کیا تھا، اور ابو الزبیر، ابوسفیان اور شعبی نے جو ائمہ حدیث میں ہیں، اور تابعی ہیں، حضرت جابرؓ کے صحیفہ کو ان سے سنا تھا، (تہذیب ج ۶ ص ۲۱۱) عمرہ بن جندب صحابیؓ سے ان کے بیٹے سلیمان روایتوں کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں، اور ان سے ان کے بیٹے طیب۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۹۸) حضرت ابو ہریرہؓ جن سے زیادہ صحابہؓ میں کوئی صحیفہ حدیث نہ تھا، ان کی روایتوں کا کچھ مجموعہ ہمام بن منبہ نے تیار کیا تھا جو صحیفہ ہمام کے نام سے احادیث میں مشہور ہے، اس کو امام ابن حنبل نے مسند جلد ۲ میں صفحہ ۳۱۲ سے صفحہ ۳۱۸ تک نقل کیا ہے، بشیر ابن ہبیک نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ان کی روایتوں کا

مجموعہ لکھا، اور پھر اس کی روایت کی ان سے اجازت کی، (کتاب
العلل ترمذی ۴۹۱، دارمی ۴۸) حضرت ابو ہریرہؓ ایک دفعہ ایک صاحب
کو اپنے مستقر پر بلا کر لائے اور دکھایا کہ یہ اوراق میرے مرویات
ہیں، راوی کہتا ہے کہ وہ ان کے ہاتھ کے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ
کے لکھے ہوئے تھے، (فتح الباری جلد ۱۴، ۱۸۵)۔

حضرت انسؓ دوسرے صحابی ہیں جن سے بکثرت روایتیں ہیں،
وہ خود اپنے بیٹوں سے کہا کرتے تھے کہ میرے بچوں غم کو تحریر کی قید
بند میں لاؤ، (دارمی ۶۸) ابان ان کے شاگردان کے سامنے بیٹھ
کر ان کی روایتیں قید تحریر میں لایا کرتے تھے (دارمی ۶۸) سلمیٰ ایک
خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ وہ
ابو رافع آنحضرت صلعم کے غلام سے آنحضرت صلعم کے کار نامے لکھا کرتے
تھے (ابن سعد ۲ قسم ۲ ص ۱۲۲) واقدی سیرت نبویؐ کے ابتدائی مصنفین
میں سے ایک سے بیان کرتا ہے کہ سند بن سادی رئیس عمان کے ناگ
آنحضرت صلعم نے جو خط بھیجا تھا، وہ ابن عباسؓ کی کتابوں کے ساتھ میں
نے دیکھا (نادا المعاد ۲ - ۵۷) غزوہ بدر کا مفصل حال غزوہ بن زبیر
نے لکھ کر خلیفہ عبدالملک کو بھیجا تھا، (طبری ۱۲۸۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلعم کے خادم خاص تھے

اور ان کو آنحضرت صلعم کی بارگاہ میں حاضری کا اذن عام تھا، ان کو
شکایت تھی کہ لوگ میرے پاس آکر سن جاتے ہیں، اور پھر اس کو
جا کر لکھ لیتے ہیں، اور میں قرآن کے سوا کسی اور چیز کے لکھنے کو حلال

نہیں جانتا (داری ۶۷) سعید بن جبیر تابعی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے رات کو روایتیں سنتا تھا، تو پالان پر لکھتا تھا، صبح کو پھر میں اس کو صاف کر لیتا تھا، (داری ۶۹) براء بن عازب صحابی کے پاس لوگ بیٹھ کر ان کی روایتوں کو لکھا کرتے تھے (داری ۶۹) نافع جو حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں ۳۰ برس رہے تھے، وہ اپنے سامنے لوگوں کو لکھوایا کرتے تھے، (داری ۶۹) عبداللہ ابن مسعود کے صاحبزادہ عبدالرحمان ایک کتاب نکال لائے اور قسم کھا کر کہا یہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے (جامع ۱۷) سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں میں بعض باتوں میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کو لکھتے تھے پھر حضرت ابن عمرؓ کے پاس اس یادداشت کو چھپا کر لاتے تھے، ان سے پوچھتے تھے، اگر ان کو اس کا پتہ چل جاتا تو بس ہمارے ان کے درمیان فیصلہ ہی تھا (جامع ۳۳) اسود تابعی کہتے ہیں کہ مجھ کو اور علقمہ کو ایک صحیفہ مل گیا، اس کو لے کر ہم حضرت ابن عمرؓ کے پاس آئے، تو انہوں نے مٹا دیا (جامع ۳۳) حضرت زید بن ثابت کاتب وحی تھے، ان کو بھی روایتوں کو تحریر میں لانے سے انکار تھا، تو مردان نے یہ تدبیر کی کہ ان کو سامنے بٹھایا اور پردہ کے پیچھے کاتب مقرر کیے کہ وہ جو بولتے جائیں، یہ لکھتے جائیں (جامع ۳۳) حضرت سعاد بن زید نے بھی ان کی ایک حدیث اسی طرح لکھوائی تھی، لیکن وہ مار گئے اور زبردستی مٹوادی (احمد ۵ ص ۱۸۲)۔

حضرات! شاید آپ ٹھوس واقعات اور اشخاص کے نام سنتے

سننے گھبرا گئے ہوں، لیکن اطمینان رکھئے کہ اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صاف اور سیدھا راستہ نظر آ رہا ہے، میں نے ان اقتباسات اور حوالوں میں یہ دکھایا ہے کہ تحریری سرمایہ ہی اگر دنیا میں قابلِ وثوق ہو سکتا ہے، تو خود عہدِ نبوی میں صحابہؓ نے اپنے ہاتھوں سے اس کو جمع کیا، اور پچھلوں کے لیے یادگار چھوڑا اور پچھلوں نے اس کو اپنی کتابوں میں داخل کر لیا، اب ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ صحابہؓ ہی کی زندگی میں تابعین نے ان کے تمام روایات واقعات اور معاملات کو ایک ایک سے پوچھ کر ایک ایک کے دواڑہ بہ جا کر بوٹے، جوان، عورت، مرد سب سے تحقیق کر کے ہمارے لیے فراہم کر دیا تھا، محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابوالزناد، وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں۔ جنہوں نے دیوانہ وار ایک ایک گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا، اور ہمارے سامنے اس کا انبار لگا دیا، شہاب زہری نے جو حدیث و سیرت کے بڑے امام تھے، آنحضرت ﷺ کی ایک ایک چیز کو لکھا، ابوالزناد کہتے ہیں کہ ہم صرف حلال و حرام لکھتے رہتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے وہ سب لکھتے جاتے تھے (جامع ۳۷) ابن کيسان کہتے ہیں کہ میں اور زہری طلبِ علم میں ساتھ تھے میں نے کہا کہ میں سنیں لکھوں گا چنانچہ جو کچھ آنحضرت ﷺ سے متعلق تھا، سب لکھا، زہری نے کہا صحابہؓ سے جو کچھ متعلق ہے وہ بھی لکھو کہ وہ بھی سنت ہے میں نے کہا وہ سنت نہیں، چنانچہ میں نے نہیں لکھا، یہوں

نے لکھا تیرہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوتے اور میں برباد ہو گیا بلکہ اس
سعد ۲ قسم ۲- صفحہ ۱۳۵) ان امور کو قید تحریروں میں لانے والے
سیکڑوں تابعی تھے جن میں سے ایک امام زہری ہیں، صرف ان
کی تحریروں کا انبار اتنا تھا کہ ولید بن یزید کے قتل کے بعد زہری
کے یہ دفتر جانوروں پر بار کر کے خزانہ سے لائے گئے تھے

امام زہری شہدہ میں پیدا ہوتے اور ۲۴ میں وفات

پائی، وہ نسباً قریشی تھے، انہوں نے جس محنت، کاوش اور استقصاء سے
آنحضرت صلعم کے حالات اور اقوال جمع کیے اس کا اندازہ مورخین
کے اس بیان سے کرو، کہ وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری
کے گھر جاتے، جوان، بٹھے، عورت، مرد جو مل جاتا یہاں تک کہ
پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرت صلعم کے اقوال اور حالات
بوچتے اور قلمبند کرتے (تہذیب ترجمہ زہری) اس زمانہ میں بکثرت
صحابہ زندہ تھے، زہری کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے
اور یہ کل کے کل روز و شب آنحضرت صلعم کے اقوال، افعال اور
حوال کی جمع و ترتیب، تعلیم و تدریس اور نشر و اشاعت میں
مشغول تھے، یہی ان کی زندگی کا کام تھا، اس کے سوا دنیا کے
ہر کام سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے۔

غلط نہیں کا سبب یہ ہے کہ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث

دیسر کی تدریس و تحریر کا کام تابعین نے شروع کیا، اور تابعین

ان کو کہتے ہیں جنہوں نے صحابہ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، اور صحابہ
کا زمانہ تقریباً سو برس تک رہا تو گویا تابعین کا عہد تسو برس کے بعد

شروع ہوا، اور اس طرح گویا تہ دین و تحریر کے سلسلہ کا آغاز سنوئیس کے بعد ہوا۔ حالانکہ یہ تمام تر غلط ہے، تابعین ان کو کہتے ہیں، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل نہیں کیا، اور صحابہ کی زیارت کی اور ان سے مستفید ہوتے، عام اس سے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوں، مگر زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبوی کے آخر میں پیدا ہوتے، اس لئے آپ سے فیضیاب نہ ہوتے، یا آپ کی وفات ربیع الاول ۱۱ھ کے بعد پیدا ہوتے وہ سب تابعین داخل ہیں، اس طرح دیکھتے تو معلوم ہوگا کہ تابعین کا عہد خود آپ کی زندگی ہی میں اور کم سے کم یہ کہ اللہ سے شروع ہو گیا تھا، اس لئے اللہ سے جو کام شروع ہوا اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ تابعین نے اس کا آغاز کیا، تابعین کا کارنامہ ہونے کے لئے ایک ایک صحابی کے دنیا سے رحلت ہو جانے کی صورت نہیں، اور نہ سو برس گزارنے کا زمانہ کی حاجت ہے، وہ تو تابعیت کا آخری عہد ہے، جس کے بعد تابعیت کے شرف کا خاتمہ ہوتا ہے، کیونکہ صحابہ کے وجود کا خاتمہ ہو گیا، جن کے دیدار کے شرف سے لوگ تابعی بنتے تھے، الغرض اس تفصیل سے ثابت ہوگا کہ یہ کہنا کس درجہ دھوکا ہے کہ مسلمانوں میں اخبار و سیر کی ترتیب کا کام مسند کے بعد شروع ہوا،۔

مسلمانوں میں اخبار و سیر اور احکام و سنن کی ترتیب اور تدوین کے درحقیقت تین دور ہیں، اول جب ہر شخص نے صرف اپنی ذاتی معلومات کو لکھا کیا، دوسرا دور وہ آیا جب ہر شہر کے

معلومات ایک جگہ فراہم کی گئیں، تیسرا دور وہ تھا جب تمام دنیا سے اسلام کے معلومات اکٹھا کیے گئے، اور ان کو موجودہ کتابوں کی صورت میں جمع کیا گیا۔ پہلا دور غالباً ۱۰۰۰ء تک قائم رہا، دوسرا دور ۱۰۰۰ء تک رہا، اور تیسرا دور ۱۰۰۰ء سے تیسری صدی کے کچھ دنوں بعد قائم رہا، پہلا دور صحابہؓ اور ان کے تابعین کا تھا، دوسرا دور تبع تابعین کا، اور تیسرا دور ابابک بخاریؓ، امام مسلمؒ

امام ترمذیؒ امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا تھا، پہلے دور کا تمام سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں میں ہے اور دوسرے دور کی کتابوں کا تمام مواد تیسرے دور کی کتابوں میں کھپا دیا گیا ہے، اور دوسرے دور کے سرمایہ دوسرے دور کی کتابوں کا سرمایہ آج ہزاروں اوراق میں ہمارے پاس موجود ہے، اور دنیا کی تاریخ کے خزانہ میں کوئی اور ذخیرہ نہیں۔

حضرت علامہ شبلیؒ نے ان کے بقول اس قسم کی زبانی روایتوں کے قلمبند کرنے کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آیا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کیے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان کی افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں، جو قرآن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے زمانہ کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا ہے،

اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام درجائی راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کیے جائیں، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آتے، کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کے چال چلن کیا تھا؟ سب کبھی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سلمیٰ الذہن تھے، یا ٹکڑے رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا، لیکن سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے، انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں؟

یہ تو صرف روایت کے متعلق تھا، اصول تقیید اور روایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول و قواعد الگ ترتیب دیئے اور بتایا کہ کیونکر اس حیثیت سے روایتوں کی تصحیح یا تغلیط کی جاسکتی ہے راویوں کی چھان بین اور تحقیق میں اس درجہ درانتداری اور حق گوئی سے کام لیا کہ واقعات آج اسلام کے مفاخر میں ہیں، راویوں میں بڑے بڑے خلفاء اور املا بھی تھے جن کی تلواروں کی دھاک بیٹھی ہوتی تھی، مگر محدثین نے بڑھو کر سب کی پر وہ درسی کی، اور ان کو وہی درجہ دیا جو اس بارگاہ

میں ان کو بل سکتا تھا، امام وکیع خود بڑے محدث تھے، لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملاحظہ کرتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، اس احتیاط اور حق پسندی کی کوئی حد ہے؟ مسعودی ایک محدث ہیں مسطورہ میں ایک امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ ان کو اپنی تحریر میں یا وراثت کے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہوں نے فوراً ان کے حافظ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی، یہی امام معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں، کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار جس کی قیمت آج دس ہزار روپیہ سے زیادہ ہے، صرف اس معاوضہ میں پیش کرنے چاہئے کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عدل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی اس کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اشرافیوں کے اس تونے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ ”میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا“ کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط، اور اس سے زیادہ دیا ننداری کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہے؟

اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام کچھ پکا، صحیح اور غلط، قوی اور ضعیف، قابل قبول اور ناقابل قبول روایتوں کا انبار آج بھی دنیا کے ^{سائنس} موجود ہے اور آج بھی انہی اصول کے مطابق ہر ایک واقعہ کی پوری تنقید کی جاسکتی ہے اور کھربے کھوٹے کو الگ کیا جاسکتا ہے۔

حضرات! ان خشک تحقیقات میں میں نے آپ کا بڑا وقت

یہاں، آنحضرت صلعم کی سیرت مبارکہ کا تاریخی پہلو اب بڑی حد تک آپ کے سامنے آگیا ہوگا، اب میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، کہ آنحضرت صلعم کے حالات اور واقعات کا جو سرمایہ فراہم ہوا اس کے کیا ماخذ قرار پاتے اور اس کو کس کس طرح ترتیب دیا گیا، سیرت مبارکہ سب سے اہم، سب سے مستند، سب سے زیادہ صحیح تو وہ حصہ ہے جس کا ماخذ خود قرآن پاک ہے، جس کی صحت اور معنوی میں دوست کیا دشمن بھی شک نہ کر سکے، آنحضرت صلعم کی سیرت کے تمام ضروری اجزاء قبل نبوت کی زندگی، یتیمی، غربت، تلاش حق، نبوت وحی، اعلان و تبلیغ، معراج، مخالفین کی دشمنی، ہجرت لڑائیاں، وقائع، اخلاق، سب اس میں موجود ہیں، اور اس سے زیادہ معتبر تاریخی سیرت دنیا کے پردہ پر کوئی موجود نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا ماخذ احادیث ہیں جو ایک لاکھ کے قریب ہیں، جن میں صحیح الگ، کنزور الگ اور جعلی الگ ہیں، صحاح ستہ کا سرمایہ ہے جس کا ایک ایک واقعہ تو لا اور پرکھا ہوا ہے، مسانید ہیں، جن میں سب سے صحیح امام ابن حنبل کا مسند ہے جو چھ جلدوں میں ہے، اور ان میں سے ہر جلد کی ضخامت ستر کے بڑے باریک صفحوں کے ٹاپ میں پانچ پانچ سو صفحوں سے کم نہ ہوگی، اس میں ایک ایک صحابی کی روایتیں الگ الگ ہیں، ان مجموعوں میں آنحضرت صلعم کے حالات اور تعلیمات سب کچھ ملے جلتے ہیں۔

۳۔ تیسرا ماخذ معازری ہیں، یعنی وہ کتابیں جن میں زیادہ تر آنحضرت صلعم کے صرف غزوات اور لڑائیوں کا حال، اور مناسبات اور واقعات

بھی موجود ہیں، ان میں مغازی غمروہ بن زبیر، المتوفی ۱۹۷ھ،
مغازی زہری المتوفی ۲۲۲ھ، مغازی موسیٰ، ابن عقبہ المتوفی ۲۳۷ھ،
مغازی ابن اسحاق المتوفی ۲۵۰ھ، مغازی زیاد بکافی المتوفی ۲۸۳ھ،
مغازی، واقعی المتوفی ۳۲۷ھ وغیرہ قدیم ہیں۔

۴۔ چھوٹا ماخذ عام تاریخ کی کتابیں ہیں جن کا پہلا حصہ
 خاص آنحضرت صلعم کے سوانح پر ہے، ان میں سب سے زیادہ معتبر
 اور مبسوط طبقات ابن سعد اور تاریخ الرسل والملوک امام ابو جعفر
 طبری، تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری، تاریخ ابن حبان اور تاریخ ابن
 ابی خثیر بغدادی المتوفی ۲۹۹ھ وغیرہ ہیں۔

۵۔ آنحضرت صلعم کے معجزات اور روحانی کارناموں کا الگ

دفتر ہے، جن کو کتب دلائل کہتے ہیں، مثلاً دلائل النبوت ابن قتیبہ المتوفی
۲۷۶ھ، دلائل النبوت ابو اسحاق حربی المتوفی ۲۵۵ھ، دلائل امام بیہقی
المتوفی ۳۳۰ھ دلائل ابو نعیم اصفہانی المتوفی ۳۳۰ھ، دلائل مستعفی المتوفی
۳۳۲ھ، دلائل ابو القاسم اسمعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ، اور
 سب سے زیادہ مبسوط کتاب اس فن میں امام سیوطی کی
 خصائص کبریٰ ہے۔

۶۔ پانچواں ماخذ کتب شمائل ہیں، یعنی وہ کتابیں جو
 آنحضرت صلعم کے صرف اخلاق و عادات اور فضائل و معمولات
 زندگی پر لکھی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی اور سب سے مشہور کتاب
 امام ترمذی المتوفی ۳۲۹ھ کی کتاب الشمائل ہے جس کی بڑے بڑے علما

بے بیسیوں شرحیں لکھی ہیں، اور سب سے ضخیم اور بڑی کتاب اس فن کی کتاب
اشغافی حقوق المصطلحہ قاضی عیاض کی اور اس کی شرح نسیم الریاض شہاب
خجائی کی ہے۔ اسی فن کی دوسری کتابیں شمسائل البنی ابو العباس مستغفری
۳۳۲ھ اور شمائل النور الساطع ابن المقرئ غزالی المتوفی ۵۵۲ھ اور
سفر السعاده مجدالدین فیروز آبادی المتوفی ۸۱۶ھ کی ہیں۔

۷۔ اس سے الگ وہ کتابیں ہیں، جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ
کے حالات میں ہیں جن میں ان شہروں کے عام حالات کے علاوہ
انحضرت صلعم کے مقامی حالات اور ان مقامات کے نام و نشان ہیں
جن کو انحضرت صلعم سے کوئی تعلق ہے۔ اس قسم کی کتابوں میں سب سے
قدیم اخبار کہ لازرقی المتوفی ۲۲۳ھ اخبار مدینہ عمر بن شیبہ المتوفی
۳۶۲ھ، اخبار کہ فاکھی، اخبار مدینہ ابن زبالہ وغیرہ ہیں

حضرات! میں نے سیرت مبارکہ کے تاریخی سرمایہ کا جو
نقشہ آپ کے سامنے آج کے خطبہ میں پیش کیا ہے، اس سے
موافق و مخالف ہر ایک کو اندازہ ہو سکتا ہے، کہ سیرت محمدی کی
تاریخی حیثیت کیا ہے، صرف اس زبانی حفظ اور تحریری یادداشت
ہی پر محدثین سلف اور خلفائے اسلام نے قناعت نہیں کی، بلکہ اس فن
کے بڑے بڑے اماموں کے لئے سغازی کی تعلیم کی غرض سے
درس گاہوں اور مسجدوں میں حلقے قائم کیے، حضرت قتادہ انصاری
صحابی تھے، ان کے پوتے عاصم بن عمرو سغازی کے امام تھے ادرسیوں
نے ۳۱۱ھ میں وفات پائی ہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے
پایہ تخت دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر اس کا درس دیتے تھے

(تہذیب) غرض آنحضرت صلعم کے عہد مبارک سے لے کر اس وقت تک ہرزمانہ میں، ہر ملک میں، ہر زبان میں آپ کے واقعات، حالات اور ارشادات میں جو کتابیں لکھی گئیں، ان کا اندازہ کئی ہزار سے زیادہ ہوگا، اردو کا تحریری ذخیرہ سو دوسو برس سے زیادہ کا نہیں، اس میں بھی محسوس تصنیف کا عہد ۱۸۵۶ء کے پس و پیش سے شروع ہوتا ہے، تاہم اس وقت تک کئی سو چھوٹی بڑی کتابیں اس موضوع پر اس میں لکھی جا چکی ہیں۔

سلمانوں کو چھوڑو کہ ان کا تو دین و ایمان ہی اس سرکار کی عقیدت و غلامی ہے، دشمنوں کے کیمپ میں آؤ، ہندوستان میں ہندوؤں نے سکھوں نے عیسائیوں نے، برہمنوں نے آپ کی سیرت میں لکھی ہیں، یورپ جس کا سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ کے ساتھ عقیدت نہیں، وہاں بھی مشنری کی خدمت کے لئے یا علمی فوق یا یاریخ عالم کی تکمیل کے لئے لائف آف محمد پر کتابیں لکھی گئیں، آج سے غالباً ۱۷-۱۷ برس پہلے دمشق کے ایک علمی رسالہ المعقبس میں شہد چھپا تھا، کہ اس وقت تک یورپ کی مختلف زبانوں میں پینچتراسٹھ کے متعلق ۱۳ سو کتابیں لکھی جا چکی ہیں، اس کے بعد اس عہد کی اور کتابوں کو ملاؤ تو یہ شمار کہاں تک پہنچے گا، انگریزی زبان کے پروفیسر رابرٹ گولیس جو اوکسفورڈ یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر ہیں، کی کتاب محمد سے جو ۱۹۰۵ء میں ہیروز آف دی نیشنس کے سلسلہ میں چھپی ہے زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرت نبوی پر

انگریزی میں نہیں لکھی گئی، اس میں اس شخص نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سند بہم پہنچا کر اس کو بلا کر دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے، تاہم وہ اپنے مقدمہ میں اس حقیقت کے اعتراف سے باز نہ رہ سکا۔

محمد کے سوانح نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا ناممکن ہے، لیکن اس میں جگر پانا قابل عزت ہے۔

جان ڈیون پورٹ صاحب نے ۱۸۷۷ء میں انگریزی میں سب سے زیادہ ہمدردانہ کتاب اپا لوجی فار محمد اینڈ وی قرآن لکھی ہے، اس کتاب کو وہ الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔
اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام یقین اور فائقوں میں ایک ہی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع عمری محمد کے وقائع عمری سے زیادہ تر مفصل اور سچے ہوں۔

ریورنڈ باسور تھامس نیو آف ٹرنٹی کالج اوکسفورڈ نے ۱۸۷۷ء میں "محمد اینڈ محمد نزم" کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گرٹ برٹین میں جو لیکچر دیئے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں، اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے:-
جو کچھ عام طور سے مذہب کی ابتدا معلوم ہوتے کی نسبت صحیح ہے وہی بدقسمتی سے ان تین مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے، جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب تاریخی کہتے

ہیں ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم، اور ان کی نسبت جنھوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں، ہم زرتشت اور کنوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں، اوسٹی اور بودھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایپروس اور سینر کے متعلق جانتے ہیں ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں، ان تیرہوں کی حقیقت سے کون پر وہاٹھا سکتا ہے، جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا جو ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زبردہ کیا ہے اور شاید اور بہت زیادہ کرے ایک آئیڈیل لائف جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی ممکن بھی ہے، اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا حصہ ہے، جو ہم جانتے ہی نہیں ہم مسیح کی خانگی زندگی کی ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تدریجی، یا ایک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے، لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے، یہاں دھنڈاپن

اور راز نہیں ہے ، ہم تاریخ رکھتے ہیں ، ہم
 محمد کے متعلق اس قدر جانتے ہیں ، جس قدر یوتھ
 اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں ، میتھولوجی ، فرضی افسانے
 اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں
 نہیں ، یا اگر ہیں تو وہ آسانی سے تاریخی واقعات سے
 الگ کیے جاسکتے ہیں کوئی شخص یہاں نہ خود کو
 دھوکا دے سکتا ہے ، اور نہ دوسرے کو ، یہاں
 پورے دن کی روشنی ہے ، ہر چیز پر پڑ رہی ہے
 اور ہر ایک جگہ وہ پہنچ سکتی ہے

(ص ۱۲-۱۵ ۱۸۸۹ء)

آنحضرت صلعم کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں نے لاکھوں
 کتابیں لکھیں اور لکھ رہے ہیں ، اور ان میں سے ہر ایک
 کتاب دوسرے انبیاء کی سیرتوں کے مقابلہ میں زیادہ صاف
 زیادہ معتبر اور زیادہ تاریخی ہے سیرت و اخبار نبوی کی ابتدائی
 کتابیں ، ہر مصنف سے سیکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے سن کر
 اور پڑھ کر اور انکا ہر ایک حرف سمجھ کر دوسروں تک پہنچائیں
 حدیث کی پہلی کتاب موطا کو اس کے مصنف امام مالک سے
 4۰۰ آدمیوں نے سنا جن میں سلاطین زمانہ علماء و فقہاء ، حکماء
 اولیاء ، اور صوفیہ ہر طبقہ کے آدمی تھے ، امام بخاری کی تصنیف جامع
 صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد دفربری سے ساٹھ ہزار آدمیوں
 نے سنا اس احتیاط ، اس استناد ، اور اس اہتمام سے بتاؤ کس

شاعر یا بانی دین کی سیرت و اخبار کا مجموعہ مرتب ہوا، اور
یہ تاریخیت محمد صلی اللہ رسول صلعم کے سوا اور کس کے حصہ میں
آئی اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلِّمْ

کا ملیت

دوستو! آج کی گفتگو کا موضوع کا ملیت ہے کوئی زندگی خواہ
کسی قدر تادنی ہو، جب تک وہ کامل نہ ہو، ہمارے لیے نمونہ
نہیں بن سکتی، کسی زندگی کا کامل اور ہر نقص سے بری ہونا،
اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا، جب تک اس زندگی کے
تمام اجزاء ہمارے سامنے نہ ہوں، یہ خیر اسلام کی زندگی کا
ہر لمحہ پیدائش سے لے کر وفات تک ان کے زمانہ کے لوگوں
کے سامنے، اور ان کی وفات کے بعد تاریخ عالم کے سامنے ہے
ان کی زندگی کا کوئی مختصر سے مختصر زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا،
جب وہ اپنے اہل وطن کی آنکھوں سے اوجھل ہو کر آئندہ کی
تیاری میں مصروف ہوں۔

پیدائش، شیوہ خواری، بچپن، ہوش و تیز جواہی، تجارت،
آمدورفت، شادی، احباب قبل نبوت، قریش کی لڑائی اور قریش
کے معاہدے میں شرکت، امین بننا، خانہ کعبہ میں پتھر نصب کرنا
رفتہ رفتہ تنہائی پسندی، غار حرا کی گوشہ نشینی، وحی، اسلام
کا ظہور، دعوت، تبلیغ، مخالفت، سفر طائف، معراج، ہجرت
غزوات، حدیبیہ کی صلح، دعوت اسلام کے نامہ و پیام، اسلام کی

اشاعت، تکمیل دینی، حجتہ الوداع، وفات، ان میں سے کونسا زمانہ ہے جو دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں، اور آپ کی کونسی حالت ہے، جس سے اہل تاریخ ناواقف ہیں، کج جھوٹ، صحیح غلط ہر چیز الگ الگ موجود ہے، اور اس کو ہر شخص جان سکتا ہے، کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع اور ضعیف روایتوں تک کو کیوں محفوظ رکھا، مگر خیال آیا کہ اس میں صحت الہی یہ تھی کہ معترضوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبر کی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے بہت سی روایتوں کو غائب کر دیا، جیسا کہ آج عیسائی لٹریچر پر اعتراض کیا جاتا ہے، اسی لئے ہمارے محدثین کرام نے،

اپنے پیغمبر کے متعلق صحیح و غلط سارا مواد سب کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے، اور ان دونوں کے درمیان تفرقہ بتا دیتے ہیں،

اور اصول مقرر کر دیتے ہیں

اٹھنا بیٹھنا، سوتا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، دوست احباب، نماز روزہ، دن رات کی عبادت، صلح و جنگ، آمد و رفت، سفر و حضر، نہانا دھونا، کھانا پینا، ہنسنا رونا، پہننا اوڑھنا، چلنا پھرتا، منسی مذاق، بولنا چالنا، خلوت جلوت، ملنا جلنا، طور و طریق، رنگ و بو، خط و خال، قد و قامت، یہاں تک کہ میاں بیوی کے خانگی تعلقات اور بہنوئی و طہارت کے واقعات ہر چیز پوری روشنی میں مذکور، معلوم اور محفوظ ہے، میں یہاں پر آپ کو

شما نکل نبوی کی صرف ایک قدیم ترین کتاب شما نکل ترندی کے الجواب پڑھ کر سنا ہوں، جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے جزئی جزئی واقعات بھی کس طرح قلبتہ کئے گئے ہیں :-

۱۔ آنحضرت صلعم کے حیلہ اور صورت و شکل کے بیان میں۔

۲۔ آنحضرت کے بالوں کے بیان میں

۳۔ آنحضرت کے پکے ہونے بالوں کے بیان میں

۴۔ کنگھی کے بیان میں ۱۹۔ آنحضرت کی نشست کے بیان میں

۵۔ خضاب " " ۲۰۔ تکیہ و بستر " "

۶۔ آنحضرت کے سرمہ لگانے " " ۲۱۔ تکیہ لگانے " "

کے بیان میں - ۲۲۔ کھانے " "

۷۔ آنحضرت کے لباس کے بیان میں ۲۳۔ روٹی " "

۸۔ زندگی بسر کرنے " " ۲۴۔ آنحضرت کے گوشت اور

۹۔ آنحضرت کے موزوں " " سالن کے بیان میں :-

۱۰۔ " پاپوش " ۲۵۔ آنحضرت کے وضو کرنے " "

۱۱۔ " خاتم (انگوٹھی) " ۲۶۔ کے کھانے کے پہلے

۱۲۔ " تلو " اور پیچھے دسا پڑھنے " "

۱۳۔ " زرہ " کے بیان میں " "

۱۴۔ " صلی اللہ علیہ وسلم کے " ۲۷۔ " پیالہ " "

خود کے بیان میں - ۲۸۔ " میوہ " "

۱۵۔ آنحضرت کے ہمارے " " ۲۹۔ " کیا کیا پیتے تھے " "

دوستو! بڑے سے بڑا آدمی بھی اپنے گھر میں معمولی آدمی ہوتا ہے، اسی لئے والیٹر کے مشہور فقرہ کے مطابق کوئی شخص اپنے گھر میں ہیرو نہیں ہو سکتا۔ باسور تھا اس مستند کی رائے میں کم از کم یہ اصول پیغمبر اسلام کے متعلق صحیح نہیں، گھبن نے لکھا ہے کہ تمام پیغمبروں میں سے کسی نے اپنے پیروؤں کا اس قدر سخت امتحان نہیں لیا، جس قدر محمدؐ نے، انہوں نے وعدہ اپنے کو سب سے پہلے ان لوگوں کے نسل نے بحیثیت پیغمبر کے پیش کیا، جو ان کو بحیثیت انسان کے بہت اچھی طرح جانتے تھے، اپنی بیوی، اپنے غلام، اپنے بھائی اپنے سب سے واقفکار دوست کے سامنے اور ان سب نے بلاپس وپیش آپ کے دعویٰ کی صداقت کو تسلیم کر لیا۔ "بیوی سے بڑھ کر انسان کی اہم ذمہ داریوں کا واقفکار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلعم کی صداقت پر سب سے پہلے آپ ہی کی بیوی ایمان لائیں، وہ نبوت سے پہلے پندرہ برس تک آپ کی رفاقت میں رہ چکی تھیں، اور آپ کے ہر حال اور ہر کیفیت کی نسبت ذاتی واقفیت رکھتی تھیں، باایں ہمہ جب آنحضرت صلعم نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو سب سے پہلے انہی نے اس دعویٰ کی سچائی کو تسلیم کیا،

بڑے بڑا انسان جو ایک ہی بیوی کا شوہر ہو وہ بھی یہ بہت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو یہ اذن عطا دے دے کہ تم میری ہر بات ہر حالت اور ہر واقعہ کو بر ملا کہہ دو اور جو کچھ چھپا ہے وہ سب پر ظاہر کر دو، مگر آنحضرت صلعم کی بیک وقت نوبتیاں تھیں، اور

ان میں سے نہر ایک کو یہ اذین تھا کہ خلوت میں مجھ میں جو کچھ دیکھو، وہ خلوت میں سب کو بر ملا بیان کر دو، جو رات کی تاریکی میں دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو جو بند کوٹھڑیوں میں دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو، اس اخلاقی و توقُّع اُعتقاد کی مثال کہیں اوہل سکتی ہے؟

یہ تو آنحضرت صلعم کے ذاتی احوال کے متعلق تھا، آپ کے اخلاقِ طاہرہ، اوصافِ عالیہ، اور آدابِ فاضلہ کے بیان و تفصیل سے احادیث کی تمام کتابیں معمویہ ہیں خصوصیت کے ساتھ قاضی عیاض اندلسی کی کتاب الشفا اس پہلو سے بہترین کتاب ہے، ایک یورپین مستشرق نے فرانس میں مجھ سے کہا تھا کہ پیغمبر اسلام کے اصلی محاسن سے واقف کئے کے لئے یہ کافی ہے کہ قاضی عیاض کی شفا کا کسی یورپین زبان میں ترجمہ کر دیا جائے۔ سیرۃ نبویؐ کی دوسری جلد میں ہم نے شمائل کے تحت میں یہ ابواب قائم کیے ہیں۔

علیہِ تقدس، مہرِ نبوت، سوتے مبارک، رفقار، گفتار، خندہ و تبسم، لباس، انگوٹھی، خودِ وزرہ، غذا اور طریقہٴ طعام۔ معمولات طعام، خوش لباسی، مرغوب رنگ، نامرغوب رنگ، خوشبو کا استعمال، لطافتِ پندری، سواری کا شوق۔

معمولات کے ماتحت حسب ذیل عنوانات ہیں۔

صبح سے لے کر شام تک معمولات، خواب، عبادتِ شبانہ، معمولات نماز، معمولاتِ خطبہ، معمولاتِ سفر، معمولاتِ جہاد، معمولاتِ عبادت و عنرا، معمولاتِ ملاقات، عام معمولات،

مجلس نبوی کے تحت عنوانات :-

دربار نبوت، مجالس ارشاد، آداب مجلس، اوقات مجلس، عہدوں کے لیے مخصوص مجالس، طریقہ ارشاد، مجالس میں شگفتگی، فیض صحبت طرز بیان، خطبات کی نوعیت، خطبات نبوی کی تاثیر۔

عبادات کے ماتحت عنوانات :-

دعا اور نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقہ، حج، ہمیشہ یاد الہی، خدا کا ذوق و شوق، میدان، جنگ میں یاد الہی، خشیت الہی، گریہ و بکا، محبت الہی، خدا پر توکل، صبر و شکر۔

اخلاق نبوی کی تفصیلی جزئیات :-

اخلاق نبوی کا جامع بیان، استقامت عمل، حسن خلق، حسن معاملہ، عدل و انصاف، جو دوسرا، ایثار، مہمان نوازی، گداگری نفرت، صدقہ سے پرہیز، تحفے قبول کرنا، کسی کا احسان نہ قبول کرنا، عدم تشدد، نقشب ناپسند تھا، عیب جوئی اور مباحی کی ناپسندیدگی۔ سادگی اور بے تکلفی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات، تواضع، بیجا تعظیم، شرم و حیا، اپنے ہاتھ سے کام کرنا

عزم و استقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، زبردقاعت، عفو و حلم، دشمنوں سے عفو و درگزر اور حسنی و سلوک، کفار اور شرکین کے ساتھ برتاؤ، یہود و نصاریٰ کے ساتھ برتاؤ غریبوں کے ساتھ محبت و شفقت، دشمنانِ جانی سے عفو و درگزر، دشمنوں کے حق میں دہائے خیر، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحمت و محبت عام، رقیق القلبی، عیادت و تعزیت، لطف طبع، اولاد

سے محبت، ازواج مطہرات کیساتھ سلوک،

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں سب سے زیادہ آپ کے

حالات کا استقصا کیا ہے چنانچہ صرف ذاتی حالات کی فہرست سینے

آپ کا طریقہ رسل و رسائل، آپ کے کھانے پینے کا طریقہ،

آپ کے نکاح اور ازواج تعلقات کا طریقہ، خواب و بیماری کا طریقہ

سواری کا طریقہ، ٹونڈی اور غلام کو اپنی خدمت کے لئے قبول فرماتے

کا طریقہ، آپ کے معاملات اور خرید و فروخت کا طریقہ، حوائج ضروری

کے آداب، اصلاح اور خط بنوانے کا طریقہ، مونچھوں کے رکھنے، اور

ترشوانے میں آپ کا طریقہ، آپ کا طرز کلام، آپ کی خاموشی، آپ

کا خندہ فرمانا، آپ کا رونا، آپ کا طریقہ خطابت، طریقہ وضو، موزن

پر مسج کرنے کا طریقہ، طریقہ تیمم، آپ کے نماز ادا کرنے کا طریقہ، آپ کا

دوسجدوں کے درمیان بیٹھنے کا طریقہ، آپ کے سجدہ کرنے کا طریقہ،

تعدہ غیر میں آپ کی نشست کی کیفیت، آپ کی نماز میں بیٹھنے اور

اور تشہد کے وقت انگلی اٹھانے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سلام

پھیرنے کا طریقہ، نماز میں آپ کا دعا فرمانا، آپ کے سجدہ سہو کرنے

کرنے کا طریقہ، آپ کا نماز میں سترہ کھڑا کرنے کا طریقہ، نماز میں

آپ کا دعا فرمانا، سفر و حضر، مسجد اور گھر میں آپ کے سنن و نوافل

پڑھنے کا طریقہ، تہجد یا فجر کی سنت کے بعد آپ کی استراحت کا طریقہ

آپ کے تہجد پڑھنے کا طریقہ، رات کی نماز اور وتر پڑھنے کا طریقہ

آپ کا وتر کے بعد نماز پڑھنے کا طریقہ، آپ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت

آپ کی چاشت کی نماز کا طریقہ، آپ کے سجدہ شکر سبحانے کا طریقہ

آپ کے سجدہ قرآنی کے ادا کرنے کا طریقہ، آپ کے جموعہ کے معمولات
آپ کے جموعہ دن کے عبادت کا طریقہ، آپ کے خطبہ دینے کا طریقہ،
صلوٰۃ عیدین میں آپ کا طریقہ، سورج گرہن کے وقت آپ کے نماز
پڑھنے کا طریقہ، استسقاء میں آپ کا طریقہ، آپ کے سفر کا طریقہ،
سفر میں آپ کے نفل پڑھنے کا طریقہ، آپ کے دو نمازوں کو اکٹھی
پڑھنے کا طریقہ، آپ کے قرآن پڑھنے اور سننے کا طریقہ، بیماروں کی
عبادت میں آپ کا طریقہ، جنازوں کے متعلق آپ کا طریقہ، جنازوں
کے ساتھ آپ کے تیز قدم اٹھانے کا طریقہ، آپ کا میت پر کپڑا ڈالنے
کا طریقہ، کسی میت کے آنت پر اس کے متعلق آپ کے سوال کرنے کا
طریقہ، جنازہ کی نماز میں آپ کا طریقہ، چھوٹے بچوں پر آپ کا نماز
جنازہ پڑھنے میں آپ کا معمول، خود کشی کرنے والے اور جہاد کے
مال غنیمت میں خیانت کرنے والے پر آپ کا نماز نہ پڑھنا، جنازہ کے
آگے آگے آپ کے چلنے وغیرہ کا طریقہ، جنازہ غائب پر آپ کے نماز
پڑھنے کا طریقہ، جنازہ کے لے آپ کے کھڑے ہونے کا طریقہ، تحریرت
اور زیارت قبور میں آپ کا طریقہ، صلوٰۃ خوف میں آپ کا طریقہ،
زکوٰۃ و صدقات میں آپ کا طریقہ، روزہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا
 رمضان میں زیادہ عبادت کرنے کا طریقہ، چاند دیکھنے کے ساتھ ہی روزہ
افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، چاند دیکھنے کی گواہی قبول کرنے میں آپ کا
طریقہ، سفر میں روزہ کے افطار کے متعلق آپ کا طریقہ، عرفہ کے دن
عرفہ کی وجہ سے افطار فرمانے اور جمعہ، شنبہ، یکشنبہ میں آپ کے
روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے پے درپے روزہ رکھنے کا طریقہ، آپ کے

نفل روزہ رکھنے اور اس کے ٹوٹ جانے پر ادا نہ کرنے کو واجب نہ سمجھنے کا طریقہ، روزہ جمعہ کو روزہ کے لئے مخصوص کر لینے پر آپ کا کراہیت فرمانا، آپ کے اعتکاف کا طریقہ، حج و عمرہ میں آپ کا طریقہ، آپ کا ایک سال میں دو عمرہ کرنے کا طریقہ، آپ کے حجوں کی کیفیت، آپ کا حج میں اپنے دست مبارک سے قربانی فرمانے کا طریقہ، آپ کا حج میں سر منڈوانے کا طریقہ، ایما حج میں آپ کے خطبوں کا طریقہ، عید الاضحیٰ میں آپ کے قربانی کرنے کا طریقہ عقیقہ میں آپ کا طریقہ، نومو لو دبیچہ کے کان میں آپ کے اذان دینے کا طریقہ اور اس کے نام رکھنے اور اس کا ختمہ کرنے میں آپ کے عادات، ناموں اور کمیتوں کے رکھنے میں آپ کا طریقہ ہونے میں احتیاط اور الفاظ کے انتخاب میں آپ کا طریقہ، اوکارو وخالق میں آپ کا طریقہ، گھر میں داخلہ کے وقت آپ کا طریقہ، بیت الخلاء جانے اور وہاں سے واپس آنے کا طریقہ، آپ کے کپڑا پہننے کا طریقہ، وضو کی دعا کے متعلق آپ کا طریقہ، اذان کے وقت الفاظ اذان کے دہرانے کے متعلق آپ کا طریقہ، رویت ہلال کے وقت آپ کے دعا فرمانے کا طریقہ، کھانے کے پہلے اور اس کے بعد آپ کے دعاؤں پڑھنے کا طریقہ، آداب طعام میں آپ کا طریقہ، آداب سلام میں آپ کا طریقہ، آپ کا دوسروں کے گھر میں اجازت مانگ کر داخل ہونے کا طریقہ، آداب سفر میں آپ کے طریقے اور سفر میں دعاؤں کے پڑھنے کا طریقہ، نکاح کی دعاؤں کے متعلق آپ کا طریقہ، بعض الفاظ کے استعمال کو مکروہ

سمجھنے میں آپ کی عادت، نغزوات اور جہاد میں آپ کا طریقہ۔
 قیدیوں کے متعلق آپ کا معمول، قیدی جاسوس اور غلام کے
 متعلق آپ کا معمول، صلح کرنے امان دینے، خبر یہ مقرر کرنے اور
 اہل کتاب و منافقین کے ساتھ معاملات کرنے میں آپ کا طریقہ
 کفار و منافقین کے ساتھ علی الترتیب، آپ کے برتاؤ کرنے کا
 طریقہ، آپ کا امراض قلب اور امراض بدن کے علاج کا طریقہ۔
 میں نے آپ کے سامنے جزیئی جزیئی باتوں کی اجمالی فہرست

پیش کی ہے، اس سے آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب ان
 چھوٹی چھوٹی باتوں کو محفوظ رکھا گیا ہے تو بڑی بڑی اہم باتوں
 کی کیا کچھ تفصیل موجود نہ ہوگی غرض ایک انسان کی زندگی کے
 جس قدر پہلو ہو سکتے ہیں، وہ سب محفوظ اور مذکور ہیں۔

حضرات! آپ نے سمجھا ہو گا کہ کاملیت سے میرا کیا مقصود
 ہے۔ اور میرے اس دعویٰ کی (کہ اس معیار پر سیرۃ محمدی کے
 سوا انبیاء میں کسی کی سیرت محفوظ نہیں) صداقت آشکارا ہو گئی
 ہوگی۔

وقت کم ہے اور مضمون ابھی بہت باقی ہے، تاہم مختصراً
 سن لیجئے کہ آنحضرت صلعم خواہ خلوت میں ہوں یا جلوت میں، مسجد
 میں ہوں یا میدان میں، نماز شبانہ میں مصروف ہوں یا فوجوں
 کی دستی میں، منبر پر ہوں یا گوشہ تنہائی میں، ہر وقت اور
 ہر شخص کو حکم تھا، کہ جو کچھ میری حالت اور کیفیت ہو وہ سب
 منظر عام پر لائی جلتے، ازواجِ مطہرات رضاً آپ کے خلوت خانوں

کے حالات سننے اور بتانے میں مصروف رہیں، مسجد نبوی میں ایک چبوترہ ان عقیدت مندوں کے لیے تھا، جن کے رہنے کے لیے گھر نہ تھے، وہ باری باری سے دن کو جنگل میں لکڑیاں کاٹ کر لاتے، اور اس سے روزی حاصل کرتے، اور سارا وقت آپ کے ملفوظات سننے، آپ کے حالات دیکھنے اور آپ کی معیت میں گزارنے کے لیے صرف کرتے تھے، ان کی تعداد ستر کے قریب تھی، انہی میں حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، جن سے زیادہ کسی صحابی کی روایات نہیں، یہ ستر مستیاں جاسوں کی طرح شب و روز، ذوق و شوق کے ساتھ آپ کے حالات دیکھنے اور دوسروں سے ان کو بیان کرنے میں مصروف رہتی تھیں۔ دن میں پانچ وقت مدینہ میں رہنے والی تمام آبادی دس برس تک متصل آپ کی ایک ایک حرکت و سکون اور ایک ایک جنبش کو دیکھتی رہی، غزوات اور لڑائیوں کے موقع پر ہزار ہا صحابہ کو شب و روز آپ کے دیکھنے اور آپ کے حالات مبارکہ سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، غزوة فتح میں ۱۰ ہزار، تبوک میں ۳۰ ہزار اور حجة الوداع میں تقریباً ایک لاکھ صحابہ کو آپ کی زیارت کے موقع ملتے رہے اور خلوت جلوت، گھاؤر باہر، صفہ اور مسجد، حلقہ تعلیم اور میدان جنگ تک جس نے جس حال میں آپ کو دیکھا اور اس کی اشاعت کی نہ صرف اس کو اجازت، بلکہ حکم اور تاکید تھی، اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کی زندگی کا کون سا پہلو ہوگا جو زیر پردہ رہے ہوگا۔ اور اس پر ایک شخص تک آپ پر خوردہ

گیری نہ کر سکا، آج بھی آپ کے دشمن اور مخالف پوری جہان
 ہیں اور تلاش جستجو کے بعد مسلہ جہاد اور تعداد و اندواج کے
 سوا آپ پر کوئی حرف گیری نہ کر سکے تو آپ ایسی زندگی کو
 معصوم اور بے گناہ کہنا زیبا ہے، یا ان زندگیوں کو جن کا
 بڑا حصہ ہماری نگاہوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے !
 ایک حیثیت سے اور غور فرمائیے، آنحضرت صلعم ہمیشہ صرف
 اپنے معتقدوں ہی کے حلقہ میں نہیں رہے، بلکہ مکہ میں قریش کے
 کے مجمع میں رہے، نبوت سے پہلے ہم برس آپ کی زندگی انہی
 کے ساتھ گزری، اور پھر ماجرا نہ زندگی، لیں دین کی زندگی،
 معاملہ اور کاروبار کی زندگی، جس میں قدم قدم پر بد معاہلی،
 بدینتی، خلاف وعدگی اور خیانت کاری کی عمیق غار آتے ہیں، مگر
 آپ اس قدر بے خطرہ اس راستہ سے گزر گئے کہ آپ کو ان سے
 امین کا خطاب حاصل ہوا، نبوت کے بعد بھی لوگوں کو آپ پر
 یہ اعتماد تھا کہ امانتیں آپ ہی کے پاس رکھواتے تھے، چنانچہ
 ہجرت کے موقع پر حضرت علیؓ کو اس لئے مکہ میں چھوڑا تاکہ
 آپ کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں، آپ کے دھوائے
 نبوت پر تمام قریش نے برہمی ظاہر کی، مقاطعہ کیا۔ دشمنیاں
 ظاہر کیں، آپ کو ساجر کہا، شاعر کہا، محنون کہا، مگر کسی نے یہ
 جرأت نہ کی کہ آپ کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی
 زبان سے نکال سکے، حالانکہ نبوت اور پیغمبری کے دعویٰ کو کے

یہ معنی ہیں کہ مدعی اپنے بے گناہی اور معصومیت کا دعویٰ کر رہا ہے اس دعویٰ کے ابطال کے لئے آپ کے اخلاق و اعمال کے متعلق چند مخالفانہ شہادتیں بھی کافی تھیں، تاہم اس دعویٰ کو توڑنے کے لئے انہوں نے اپنی دولت لٹائی، اپنی اولاد کو قربان کیا، اپنی جانیں دیں، لیکن یہ ممکن نہ ہوا کہ وہ آپ کی ذات پر معمولی غرورہ گیری کر کے بھی اس کو باطل کر سکیں، کیا اس سے نہیں ثابت ہوتا کہ جو آپ دوستوں کی نظر میں تھے، وہی دشمنوں کی نگاہ میں بھی تھے، اور کوئی چیز زیر پردہ اور نامعلوم نہ تھی

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رئیس جلسہ جماتے بیٹھے تھے اور آپ کا ذکر ہو رہا تھا۔ نغزین حارث نے جو قریش کا میں سب سے زیادہ جماندیدہ تھا، کہا: ”اے قریش! تم پہ جو مصیبت آئی ہے تم اس کی کوئی تدبیر نہ نکال سکو، محمد تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پستید، سچا اور امانت دار تھا، اور اب جب اس کے بالوں میں سفیدی آچلی، اور تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو، کہ وہ ساحر ہے کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم میں نے اس کی

باتیں سنی ہیں، محمدؐ کوئی بات نہیں۔“ (ابن ہشام)

آپؐ کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل کہا کرتا تھا و محمدؐ تم کو

جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے اور سمجھاتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا، چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی

سے (ترند کی تفسیر انعام)

قَدْ نَعَلَكُمْ إِيَّاهُ لِيَتَّخِذَ بِنَدَائِكَ الَّذِينَ يُقُولُونَ فَا نَهُمْ لَا يَكْفُرُونَ
وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بآيَاتِ اللَّهِ بِجَحْدٍ وَن (انعام)

ہم جانتے ہیں کہ ان (کافروں) کی باتیں تم کو (اسے پیغمبر) غمگین کرتی ہیں، تو یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں

جب آنحضرت صلعم کو پیش گاہ الہی سے حکم ہوا کہ اپنے خاندان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دو، تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکارا، ”یا معشر قریش!“ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا ”اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا،“ سب نے کہا ہاں! کیونکہ ہم نے تم کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔“
(بخاری شریف سورۃ تبت)

قیصر روم کے دربار میں قاصد نسومی پہنچا ہے، کفار قریش میں آنحضرت صلعم کے سب سے بڑے حریف اور مقابل ابوسفیان جو چھ برس متواتر آپ کے مقابلہ میں فوجوں کے پرے جھاتے رہے، وہ آنحضرت صلعم کی تصدیق حال اور تقشیر کے لئے بلائے گئے ہیں، موقع کی نزاکت پر غور کرو ایک دشمن کی شہادت اپنے ایک ایسے دشمن کے حق میں ہے، جس کو وہ دل سے شادینا چاہتا ہے ایک ایسے باسرو سامان بادشاہ کے دربار میں اس کی شہادت

ہے کہ اگر اس گمراہی کو لیا جائے تو دم کے دم میں اس کی فوجیں

مدینہ کی سمت بڑھ سکتی تھیں تاہم اس سوال کے جواب کو سنیے

قیصر مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے ابوسفیان شریف ہے

” اس خاندان کے کسی اوسنے ” نہیں

بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے

” اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے ” نہیں

” جن لوگوں نے اس کے مذہب کو ” کمزور لوگ

قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر ہیں

” اس کے پیرو بڑھے ہیں یا ” بڑھتے جاتے

گھٹتے جاتے ہیں

” کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت ” نہیں

جھوٹ کا بھی تجربہ ہے

” وہ کبھی اپنے علم و قار سے ” ابھی تک تو نہیں

گمراہ نہ دیکھیں ” بھی پھرا ہے

” کتاب ہے کہ ایک ” وہ کیا سیکتا ہے

خدا کی عبادت کرو

نماز پڑھو، پاکدامنی

اختیار کرو سچ بو لو

اہل قرابت کا حق ادا

کرو

کیا اس سے زیادہ نازک موقع کی شہادت سولے سیرت محمدی کے اور کہیں دستیاب ہو سکتی ہے اس سے زیادہ آپ کی کاملیت کی کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

ایک نکتہ کی طرف آپ کی توجہ ملتفت کرنا ہے، آنحضرت صلعم پر جو لوگ ابتداءً ایمان لائے، بلکہ ایک ایسی قوم کے افراد تھے وہ دریا کے کنارے مابھی گیر نہ تھے، وہ مصر کے محکوم اور غلام قوم کے افراد نہ تھے، بلکہ ایک ایسی آزاد قوم کے افراد تھے، جو اپنی عقل و دانش کے لحاظ سے ممتاز تھی، اور جس نے ابتداءً افریقہ سے آج تک کبھی کسی کی اطاعت نہیں کی تھی، وہ لوگ جن کے تجارتی کاروبار ایران، شام، مصر اور ایشیائے کوچک تک پھیلے تھے، ان میں وہ لوگ تھے جن کی دقیقہ سمجھی، نکتہ رسی اور عقل و ذہانت کے ثبوت، مسائل اور احکام کی صورت میں آج بھی موجود ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑی بڑی فوجوں کا مقابلہ کیا، اور دنیا کے مشہور سپہ سالاروں میں داخل ہیں، ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے ملکوں پر فرما کر دائیاں کیں، اور حکومت کے نظم و نسق کی بہترین قابلیت کا اظہار کیا، کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ایسے پر زور، قوی بازو اور دانیان روزگار سے آنحضرت صلعم کا کوئی حال چھپا رہ سکتا تھا، اور وہ دھوکا کھا سکتے تھے، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی ایک ایک جنبش کی نقل کی ہے، اور جو آپ کے ایک ایک نقش قدم پر چلنا اپنی سعادت

مجھے تھے یہ آپ کی کاملیت کی ناقابل تردید دلیل ہے
آنحضرت صلعم نے اپنے حالات و واقعات پر کبھی کوئی
پزدہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی آپ جس طرح تھے اسی طرح

سب کو معلوم تھے، اور اسی طرح اب تک ہیں، حضرت عائشہ
آپ کی زوجہ محترمہ جو نو برس آپ کے ساتھ رہیں، فرماتی ہیں
جو تم سے یہ بیان کرے کہ محمدؐ نے خدا کے احکام میں سے کچھ
چھپا لیا، اور مخلوق پر ظاہر نہیں کیا، تو اس کو سچ نہ جانو
کہ خدا فرماتا ہے، (صحیح بخاری تفسیر آیت ذیل)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ أَسِيبِغْبِرِ إِخْلَاكِي مِنْ رِبِّكَ وَان لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا
مِنْ رِبِّكَ وَان لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا مِنْ رِبِّكَ وَان لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا مِنْ رِبِّكَ وَان لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا
بَلِّغْتَ رِسَالَتِي، (مائدہ ۶۷) کیا تو نے اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا،
دنیا میں کوئی شخص نہیں چاہتا کہ اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ

کنزوری کا بھی بے خطر بر ملا اعلان کر دے، خصوصاً وہ جو
ایک جماعت کی رہبر می و رہنمائی اور وہ بھی روحانی و اخلاقی
کر رہا ہو، لیکن قرآن مجید میں متعدد آیتیں ایسی ہیں، جن میں
آنحضرت صلعم کو ان کی ظاہری لغزشوں پر تنبیہ کی گئی ہے،

تاہم ان میں سے ہر آیت آپ نے پڑھ کر سنائی لوگوں نے
یاد کی، ہر محراب و مسجد میں پڑھی گئی، اور اب تک جہاں
محمدؐ صلعم کا نام ہے، وہ آیتیں ان کے ماتے والوں کی زبانوں
پر ہیں، حالانکہ اگر ان معمولی فرد گذشتوں کا قرآن پاک میں

ذکر نہ ہوتا تو آج دنیا کو ان کا علم بھی نہ ہوتا، مگر ایک ایک زندگی کی ہر چیز روشن ہونی تھی، اور وہ کی گئی،

آنحضرت صلعم کا اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جہلاتے عرب کے نزدیک قابل اعتراض تھا، اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں تبصریح مذکور ہے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلعم خدا کی کسی وحی کو چھپا سکتے تو اس آیت کو ضرور چھپا دیتے جس میں اس نکاح کا تذکرہ ہے (مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۳۳) تاکہ جاہلوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے، مگر

آنحضرت صلعم نے ایسا نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا کوئی پہلو تاریک نہیں رہا، بارگاہِ رسالت کے یہ شہادت پیش کرنے کے لائق ہے، یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے، شخصیت کی تاریک گہرائیاں درحقیقت ہیں اور ہماری پہنچ کے خط سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی، لیکن محمد کی وہ بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں ان کی جوانی، ان کا ظہور، ان کے تعلقات ان کے

عادات، ان کا پہلہ تخیل، اور تدریجی ترقی، ان کی عظیم الشان وحی نوبت نوبت آنا، اور ان کی اندرونی تاریخ کے لئے اس کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان

کیا جا چکا ہے ہم ایک کتاب (قرآن) رکھتے ہیں جو اپنی اصلیت میں، اپنے محفوظ رہنے میں، اپنے سفایں کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے لیکن جوہری صداقت میں کوئی شخص کبھی سنجیدہ شک نہ کر سکا اگر کوئی کتاب ہم ایسی رکھتے ہیں جو اپنے زمانہ کے ماسٹر ریسرٹ کا آئینہ ہو تو یہ کتاب ہے، عموماً تصنع اور بناوٹ سے پاک، غیر مرتب، متضاد تھا دینے والی لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور، ایک مانع جو اس روحانیت سے لبریز، جو اس کے اندر بند ہے خدا کے نشہ میں مست و سرشار، لیکن انسانی کمزوریوں کے ساتھ جن سے پاک ہونے کا کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا، اور یہ محمدؐ کی آخری عظمت ہے، کہ انہوں نے ان سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا (ص ۱۵) گین کے الفاظ ہیں کسی ابتدائی پیغمبر نے کبھی صداقت کا کوئی ایسا سخت امتحان پاس نہیں کیا، جیسا کہ محمدؐ نے جب کہ اس نے پہلے پہل اپنے کو بحیثیت پیغمبر کے ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جو اس کی کمزوریوں سے بحیثیت ایک انسان ہونے کے واقف تھے، وہ لوگ جو اس سے سب سے زیادہ واقف تھے، ان کی بیوی، ان کا تھکی غلام، ان کا چچا زاد بھائی ان کا سب

سے پرانا دوست جس نے جیسا کہ خود کہا ہے، کہ اس کے پیروں میں وہی ایک ہے جس نے نہ پشت پھیری، اور نہ گھبرایا، یہی لوگ اس کے سب سے پہلے معتقد ہوئے، پیغمبروں کی عام قسمت محمدؐ کے حق میں بالکل اُلٹ گئی، وہ غیر معزز نہ تھا، لیکن ان کے نزدیک جو اس سے واقف نہ تھے (۱۰۸-۱۰۹) ان شہادتوں کا یہ مطلب ہے کہ جو جس قدر آنحضرت ﷺ کے حالات سے واقف تھا، اسی قدر زیادہ وہ ان کا عقیدہ تھا، عام پیغمبروں کا یہ اصول رہا ہے، پہلے ان کو واقفوں نے مانا ہے، تب جا کر گھروالوں کی باری آتی ہے، مگر آنحضرت ﷺ کا سانحہ حیات اس سے بالکل مختلف ہے، آپ کو سب سے پہلے انہوں نے مانا جو آپ کے اخلاق عادات اور حالات سے زیادہ واقف تھے، اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے ایمان و اعتماد کا شدید خطرناک امتحان دیا ہے حضرت خدیجہؓ تین برس تک آپ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور رہیں، جس میں بھوک اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونا پڑا، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس وقت جب ہر چہا ر طرف دشمن تعاقب میں تھے، رات کی تاریکی میں آپ کے ساتھ خطرناک رفاقت کا حق ادا کیا، حضرت علیؓ نے اس بستر پر قدم رکھا جو صبح کو متقل بننے والا تھا، حضرت زیدؓ خاص وہ تھے جو پتہ لٹے پر اپنے باپ کے اصرار پر بھی اپنے راعانی باپ سے سفارت

گوارہ نہ کی ،

کارڈ فری بیکنس اپالوجی فار محمدؐ میں کہتا ہے :
عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمدؐ صلعم کے پیغام
نے وہ نشہ آپ کے پیرووں میں پیدا کر دیا تھا، جس کو
عیسیٰؑ کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے سود ہے
— جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ
گئے، ان کا نشہ دینی جاتا رہا اور اپنے معتدء کو موت

کے پنجے میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے — برعکس اس
کے محمدؐ صلعم کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے ،
اور آپ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل
دشمنوں پر آپ کو غالب کر دیا، (ترجمہ ادو ص ۴۶ و
۷۷ مطبوعہ بریلی ۱۹۷۳ء)

احمد کے مشہور معرکہ میں جب قریش کے تیغ زنوں نے
آپ پر یورش کی اور مسلمانوں کی صفیں درہم ہوئیں تو آپ نے
آواز دی کہ کون مجھ پر جان دیتا ہے ، ، اس آواز کو سن کر رفتہ
سات انصاری نکل آئے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں
فدا کر دیں ، ایک انصاری خاتون کے باپ ، بھائی ، اور شوہر تین
پیارے جانیں اس معرکہ میں تصدق ہوئیں ، باری باری تین سخت
حادثوں کی صدائیں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں ، اور ہر بار صرف
یہ پوچھتی جاتی ہے کہ جانِ عالم رسول اللہؐ صلعم کیسے ہیں ؟ لوگوں نے
کہا بخیر ہیں ، اس نے پاس آکر چہرہ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار

اشی، گلِ مصیبتہ بعد از جلال یا ترسوں اللہ، تیرے ہوتے سب
مصیبتیں یا سچی ہیں

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی برادر بھی خدا
اسے شہید دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم
دوستو! محبت یہ عشق، یہ جان نثاری ان میں تھی جو آپ کو
ہر طرح اور ہر حیثیت سے جانتے تھے، کیا ایسے شخص کے ساتھ جس کی
زندگی اس کے ساتھیوں اور رفیقوں کی نگاہ میں کامل نہ ہو، اس
لائق ہو سکتی ہے کہ اس پر وہ جانیں قربان کریں اس زیادہ یہ ہے
کہ اسلام نے اپنے پیغمبر کی زندگی کو ان کے لئے نمونہ بتایا، اور اس
کی پیروی کو خدا کی محبت کا ذریعہ بتایا،

ان کُنْتُمْ بِحَبْلٍ مِّنْ لِّلّٰهِ فَاتَّبِعُوْنِیْ اے لوگو! اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ
یُحْبِبْکُمْ اللّٰهُ، (ال عمران) ہے تو میری اتباع کرو، تو خدا تم کو
پیارا کرے گا۔

آپ کی اتباع کو یعنی آپ کی زندگی کی نقل و عکس کو خدا کی
محبت کا معیار بتایا ایک لمحہ کے لیے نشہ دینی سے سرمست ہو کر اپنی
جان دینا آسان ہے، مگر پوری عمر ہر چیز میں ہر حالت میں، ہر
کیفیت میں آپ کی اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کسی
بات میں سنت محمدی سے قدم ادھر ادھر نہ ہو سب سے مشکل امتحان
ہے اس سے اتباع کے امتحان میں تمام صحابہ پورے اترے،
اور اسی جذبہ نے صحابہؓ تابعین، تبع تابعین، محدثین، مورخین،
اور ارباب سیر کا یہ اہم فرض قرار دیا ہے، کہ وہ آپ کی ایک ایک

بات، ایک ایک چیز، ایک ایک جنبش کو معلوم کریں، پچھلوں کو بتائیں تاکہ اپنے اپنے امکان بھر بھر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کئے اس نکتہ سے ظاہر ہو گا کہ آنحضرت صلعم کی زندگی اس کے جانتے والوں کی نگاہ میں پوری کامل تھی، تب ہی تو اس کی نقل کو انہوں نے کمال کا معیار یقین کیا

اسلام کی نگاہ میں آپ کی حیات ایک مسلمان کے لیے کامل نمونہ ہے۔ اس لیے اس نمونہ کے تمام پہلو سب کے سامنے ہونے چاہئیں، اور سب کے سامنے ہیں، اسی سے ثابت ہو گا کہ آپ کی زندگی کے سلسلہ میں کوئی کٹری گم نہیں ہے، کوئی واقعہ زیر پر وہ نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ تاریخ کے صفحات میں آئینہ ہے اور یہی ایک ذریعہ کسی کے کامل، معصوم اور بے گناہ یقین کرنے کا ہے، نیز ایسی ہی زندگی جس کے ہر پہلو اس طرح روشن ہوں، انسان کے لیے نمونہ کا کام دے سکتی ہے۔

دنیا میں بابل و اسیریا ہندوستان و چین، مصر و شام، یونان و روم میں بڑے بڑے تمدن پیدا ہوئے، اخلاق کے بڑے بڑے نظریے قائم کیے گئے، تہذیب و شائستگی کے بڑے بڑے اصول بنائے گئے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، ملنے جلنے، پتے اوڑھنے، رہنے، سونے جلگے، شادی بیاہ، مرنے جینے، غم و مسرت، دعوت و طاقات، مصافحہ و سلام، غسل و طہارت، عبادت و تعزیت، تبریک و تسنیت، دفن و کفن کے بہت سے رسوم، آداب و شرائط، اور ہدایت مرتب ہوئے، اور ان سے ان قوموں کی تہذیب و تمدن اور معاشرت کے

اصول بناتے گئے۔ یہ اصول صہد ہا سال میں بنے، پھر بھی بگڑ گئے، صدیوں میں ان کی تعمیر ہوئی، تاہم وہ فنا ہو گئے، لیکن اسلام کا یہ تمدن چند برسوں میں بنا اور تعمیر ہوا اور ۱۴ سو برس سے قبل کل روٹے زمین کی سیلنگروں مختلف اقوام میں یکسانی کے ساتھ قائم ہے، کیونکہ اس کا ماخذ ایک ہے، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے، اس زندگی کے آئینہ میں صحابہ نے اپنی زندگیاں سجائیں، اور ان کا عکس تابعین نے اتارا، اور اس طرح وہ تمام دنیا سے اسلام کا عمل اور رسم بن گئی، وہ مقدس زندگی مرکزی نقطہ تھی، صحابہؓ نے اس کو خط اور بعد کی نسلوں نے اس کو دائرہ بنا دیا، وہ تمدن آج گو کامل نہیں مگر اس کے نقش قدم اب بھی ہیں، اور اسی پر کل مسلمان چل رہے ہیں، ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی اور کامل تصویر آج بھی ہم میں موجود ہے، افریقہ یا ہندوستان کا کوئی قبیلہ جو مسلمان ہوتا ہے اس کو جہاں سے مذہب ملتا ہے، وہیں سے تمدن و تہذیب اور شاہیگی کا سبق ملتا ہے، مسلمان ہونے کے ساتھ یہ پیغمبر اسلام کی پوری زندگی، انسانی ضروریات اور حالات کے ساتھ اس کے سامنے آجاتی ہے، اور یہ بولتی چلتی، جیتی جاگتی تصویر ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہیں۔

ایک یہودی نے ایک صحابیؓ سے طنزاً کہا تھا، کہ تمہارا پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، اور معمولی معمولی باتیں سکھاتا ہے، انہوں نے فخراً کہا کہ ہاں، ہمارا پیغمبر ہم کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، یہاں تک کہ اس نے استنجا اور آبدہت کی یہی تعلیم دیکھی ہے اور آج بھی اس کامل تعلیم کی سیرت کو فخر کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں گویا

سیرت محمدی دنیا کا آئینہ خانہ ہے، جس میں دیکھ کر ہر شخص اپنے جسم اور سرخ ظاہر و باطن و قول و عمل، زبان و دل، آداب و رسوم، طور و طریق کی اصلاح اور درستی کر سکتا ہے اور اسی لئے کوئی مسلمان قوم اپنی شائستگی اور ادب و اخلاق کے لئے اپنے مذہب سے باہر، اور اپنے رسول کی سیرت سے الگ کوئی چیز نہیں مانگتی، اور نہ اس کو ضرورت ہے، سیرت محمدی دنیائے اسلامی کا عالمگیر آئینہ ہے، اسی کے مقابلے سے حسن و قبح اور نیکی و بدی کا راز اس پر کھلتا ہے، اور چونکہ کوئی انسانی کامل زندگی اس استیعاب اور استقصاء کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود نہیں، اس لئے تمام انسانوں کے لئے یہی ایک کامل نمونہ ہے اور ایسی ہی کامل نمونہ اور ہے پر وہ زندگی انسانوں کے لئے قابل نمونہ ہو سکتی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

۵ جَامِعِيَّت

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاَتَّبِعُوْنِيْ يُحِبِّكُمْ اللّٰهُ

حضرات! خدا کی محبت کا اہل، اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لئے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے، اور وہ یہ ہے، کہ اس مذہب کے شارع اور طریقہ کے بانی نے نصیحتیں کی ہیں، ان پر

عمل کیا جاتے، لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی اور اتباع کو خدا کی محبت کے اہل اولیٰ اس کے پیار کے مستحق بننے کا ذریعہ بنایا ہے، چنانچہ اسلام بیٹا و وحیریں ہیں، کتاب اور سنت، کتاب سے مقصود خدا کے احکام ہیں جو قرآن مجید کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں، اور سنت جس کے لغوی معنی راستہ کے ہیں وہ راستہ جس پر پیغمبر اسلام ﷺ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے گزرے یعنی آپ کا عملی نمونہ جس کی تصویر احادیث میں بصورت الفاظ ہے، الغرض ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیل روحانی کے لئے جو چیز ہے وہ سنت نبوی ہے وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوں ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنف انسانی سے متعلق ہوں، اس دنیا کی بنیاد ہی اختلاف عمل پر ہے، باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ، پادشہیں جو اور احکام بھی ضروری ہیں اور محکوم، مطیع اور فرمانبردار بچا بھی امن و امان کے قیام کے لئے قاضیوں اور مجرموں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوجوں کا سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی، غریب بھی ہیں اور دولت مند بھی، رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی، اہل و عیال بھی ہیں، اور دوست و احباب بھی تاجرا اور سوداگر بھی ہیں اور امام اور پیشوا بھی ہیں، غرض اس دنیا کا نظم و نسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے، اسلام ان تمام انسانوں کو سنت نبوی کی اتباع کی دعوت دیتا ہے اس کے صاف

حتیٰ یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقاتِ انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے، جو ان میں سے ہر ایک کے لئے نیک الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے، اسلام کے صرف اسی نظریہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جامعیت ہے، یعنی انسانوں کے ہر طبقہ اور صنف کے لئے، اس شہ پاک میں نصیحت پوری اور عمل کے لئے درس اور سبق موجود ہیں، ایک حاکم کے لئے محکوم کی ذمہ داری، اور محکوم کے لئے حاکم کی زندگی، ایک دو تہ مند کے لئے غریب کی زندگی، اور غریب کے لئے دو تہ مند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی، اسی لئے ضرورت سے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو

اصنافِ انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی، ہنستے بھی ہیں روتے بھی، پہنتے بھی ہیں اور اتارتے بھی، تہاتے بھی ہیں اور دھوتے بھی، لیتے بھی ہیں، اور دیتے بھی، سیکھتے بھی اور سیکھاتے بھی مرتے بھی ہیں اور مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی، اپنی جان بھی دیتے ہیں، اور بچھلتے بھی، عبادت و دعا بھی کرتے ہیں، اور کاروبار بھی، مہمان بھی بنتے ہیں اور مہنبران بھی، ہم کو امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں عملی نمونوں کی ضرورت ہے جو ہم کو ہر نئی حالت میں پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی

کا درس دیں۔

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضا سے ہے، وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے، اور جن کی تعبیر ہم اعمال قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں، ہر آن ہم ایک نئی قلبی عمل یا جذبہ یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں، ہم کبھی راضی ہیں کبھی ناراض ہیں کبھی خوش ہیں، کبھی غم زدہ ہیں اور کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور نعمتوں سے مالا مال، کبھی ناکام ہوتے ہیں، اور کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں، اخلاق فاضلہ کا تمام تر انحصار انہی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور یا قاعدگی پر ہے، ان سب کے لئے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے جس کے ماتحت ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی ہو جو انہی راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے جس پر سے مدینہ کا بے نفس انسان کبھی گزر چکا ہے۔

عزم، استقلال، شجاعت، صبر، شکر، رضا بقدر، معیتوں کی برداشت، قربانی، قناعت، استغنا، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، سکنت، غرض نشیب و فراز بلند و بست، تمام اخلاق پہلوؤں کے لیے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے، مگر وہ کہاں مل سکتی ہے؟ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، حضرت یونسؑ کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے مگر نرم اخلاق کا نہیں، حضرت عیسیٰؑ کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے مگر سرگرم اور

خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں، انسانوں کو اس دنیا میں ان قوتوں کی معتدل حالت میں ضرورت ہے، اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلام کی سوانح میں مل سکتی ہیں

غرض ایک ایسی شخصی زندگی، جو طائفہ انسانی کے اور ہر حالت انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو، صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہے اگر دو تہمتیں ہو تو مکہ کے اور یحییٰ بن کے عزائم دار کی تقلید کرو، اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو، اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو، اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر فاتح ہو تو مند حنین کے سپہ سالاروں پر نگاہ دوڑاؤ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ اُحد سے عبرت حاصل کرو، اگر تم استاد اور معلم ہو تو صفحہ کی درس کے معلم قدس کو دیکھو اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جہاؤ، اگر واعظ اور ناصح ہو تو مسجد مدینہ کے منبر پر کھڑے ہونے کی باتیں سنو، اگر تنہائی و بکیسی کے عالم میں حق کی ستادی کا فرض انجام دینا چاہتے ہو تو مکہ کے بے یار و مددگار نبی کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے، اگر تم حق کی نصرت کے بعد اپنے دشمنوں کو ذیہ اور مخالفوں کو کمزور بنا چکے ہو تو بنی نصیر، خیر اور فدک کی زمینوں کے مالک کے کاروبار اور نظم و نسق کو دیکھو، اگر یتیم ہو تو عبداللہ و آمنہ کے جگر گوشہ کو نہ بھولو، اگر بچہ ہو تو علیہ سعدیہ کے لادنے بچے کو دیکھو اگر تم جوان ہو تو مکہ کے ایک چمروا ہے کی سیرت پڑھو، اگر سفری کاروبار

میں ہو تو بصری کے کاروان سالار کی مثالیں ڈھونڈو اگر عدالت کے قاضی اور نیچا تیوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے مدینہ کی کچی مسجد کے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و عریب برابر تھے، اگر تم بویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک مطالعہ کرو، اگر اولاد والے ہو تو فاطمہ کے باپ اور حسن و حسین کے نانا کا حال پوچھو، غرض تم جو کوئی بھی ہو، اور کسی حال میں بھی ہو، تمہاری زندگی کے لئے نمونہ، تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لئے سامان، تمہارے ظلمت خانہ کے لئے ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور محمد صلعم کی جامعیت کبریٰ کے خزانہ میں ہر وقت اور ہر جہہ دل مل سکتا ہے اس لئے طبقہ انسانی کے ہر طالب اور نور ایمانی کے ہر تلاشگر کے لئے صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہدایت کا نمونہ اور نجات کا ذریعہ ہے، جس کی نگاہ کے سامنے محمد رسول اللہ کی سیرت ہے، اس کے سامنے نوح، ابراہیم، ایوب و یونس، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سب کی سیرتیں موجود ہیں، گویا تمام دوسرے انبیائے کرام کی سیرت صرف ایک ہی جنس کی اشیاء کی دوکانیں ہیں اور محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت اخلاق و اعمال کی دنیا کا سب سے بڑا بازار (مارکٹ) ہے، جہاں ہر جنس کے خریدار اور ہر شے کے طلبگر کے لیے بہترین سامان موجود ہے

آج سے تیس چالیس برس پہلے پٹنہ کے مشہور واعظ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم نور اسلام نام ایک رسالہ نکالتے تھے، اس میں انہوں

نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے، کہ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا میں آپ کے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں انہوں نے پوچھا ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسیٰ کو کیا سمجھتے ہو، اس نے جواب دیا کہ محمد کے مقابلہ میں عیسیٰ ایسے معلوم ہوتے ہیں، جیسے کسی دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھلا بچہ بیٹھا ہوا بیٹھی بیٹھی باتیں کر رہا ہو انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبر اسلام کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو، اس نے جواب دیا کہ مجھ کو ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں جو کسی انسان میں تاریخ نے کبھی یکجا کر کے نہیں دکھائے، بادشاہ ایسا کہ ایک پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو، اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو، بلکہ خدا کے قبضہ میں۔ دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دار الحکومت میں آ رہے ہوں، اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر چو لھانہ جلتا ہو، اور کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گزر جاتے ہوں سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نیتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پر جوش جاشاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون و چرا دستخط کر دیتا ہو شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تنہا کھڑا ہو، اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، یا تعلق ایسا ہو کہ عرب

کے ذرہ ذرہ کی اس کو فکر، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب و غلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کو بھولا سوئی قوم کے سدھار کی اس کو فکر غرض سارے سنسار کی اس کو فکر ہوا اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سامنے کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو، اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو اس نے کبھی اپنی ذات کے لئے اپنے برا کئے والوں سے بدلہ نہیں لیا، اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعا خیر کی اور ان کا جلا چاٹا۔ لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا، اور عذاب الہی سے ڈراتا رہا، عین اس وقت جب اس پر ایک تیغ زرن سپا ہی دھوکا ہوتا ہو، وہ ایک زندہ دار اور زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے، عین اس وقت جب اس پر کثور کشا فاتح کا شبہ ہو، وہ یہ غیرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے، عین اس وقت جب ہم شاہ عرب کہہ کر پکارتا چاہتے ہیں، وہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری چٹائی بیٹھا درویش نظر آتا ہے، عین اس وقت جب عرب کے اطراف سے آ آ کر اس کے صحن مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے، اس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے، عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں ٹوٹتی اور غلام امین کر بیٹھے جا رہے ہیں، فاطمہ بنت رسول اللہ جا کر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینہ کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں، جو چکی پیستے پیستے اور شکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے، عین اس وقت جب آدھا عرب اس زیر نگین ہوتا ہے، حضرت عمرؓ حاضر دربار ہوتے ہیں، ادھر

اُدھر نظریں اٹھا کر کاشانہ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں آپ ایک کھڑی چا پاتی پر آرام فرما رہے ہیں، جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہیں، ایک کھوٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے، سرور کائنات کے گھر میں یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں، سبب دریافت ہوتا ہے، عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ اس سے بڑھ کر روتے کا اور کیا موقع ہوگا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں، اور آپ پیغمبر ہو کر اس حالت میں ہیں، ارشاد ہوتا ہے، عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔

ابوسفیان جو آنحضرت صلعم کے سب سے بڑے حریت تھے فتح مکہ کے دن حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں رنگ رنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں سلام کا دریا اُمنڈتا آرہا ہے، قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی چلی آرہی ہیں، ابوسفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکا کھاتی ہیں، وہ حضرت عباس سے کہتے ہیں، عباس! تمہارا بھتیجا تو بڑا بادشاہ بن گیا ہے، عباس کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں، فرمایا ابوسفیان یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے

عدی بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس، شہور حاتم طائی کے فرزند تھے، اور مذہباً عیسائی تھے، وہ حضور کے دربار میں آتے ہیں، صحابہ کی عقیدت مندوں، اور جہاد کا ساز و سامان دیکھ کر اس فیصلہ میں رقت ہوتی ہے کہ محمد بادشاہ ہیں یا پیغمبر! دفعۃً مدینہ کی ایک

غریب لوٹھی آگر کھڑی ہوتی ہے، اور کہتی ہے کہ حضور سے کچھ عرض کرنا ہے، فرماتے ہیں دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سن سکتا ہوں، یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں، اس ظاہری جاہ و جلال کے پردہ میں یہ عجز، ہیخاکساری، یہ تواضع دیکھ کر عدی کی آنکھوں کے ساغ سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے۔ فوراً گلے سے صلیب اتار دیتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں

غرض میں نے جو کچھ پہلے کہا، وہ محض شاعرانہ انشا پر وازی نہیں بلکہ تاریخی واقعات ہیں۔ ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ضعف انسانی کے نئے ہدایت کی مثالیں اور نظریں رکھتی ہیں وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالمگیر اور دائمی رہنمائی کا کام انجام دے، وہ غیظ و غضب اور رحم و کرم، جو و وسخا، اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور رحم دلی اور رقیق و قلبی خانہ داری اور خدادانی، دنیا اور دین دونوں کے نئے ہم کو اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کرے جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بشارت دے، اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد و قوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے، عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ دنیا میں صرف عفو و درگزر معافی اور نرمی انسانیت کی تکمیل کے سب سے بڑے ذریعے ہیں، اس لیے

جس مستی میں صرف ایک پہلو ہو - وہی انسانیت کی سب سے بڑی معلم اور محسن ہے . لیکن ہمیں یہ بتاؤ کہ انسان کے اخلاق میں کیا فقط یہی قوتیں ودیعت ہیں یا اس کے مقابل کی قوتیں بھی ہیں ایک انسان میں دیکھو تو غصہ اور کرم ، محبت اور عداوت ، خواہش اور قناعت ، انتقام اور عفو ہر قسم کے فطری جذبات موجود ہیں ، اس لیے ایک کامل معلم وہی ہو سکتا ہے ، جو انسانیت کے ان تمام قوی اور جذبات میں اعتدال پیدا کر کے ان کے صحیح مصرف متعین کر دے - جن مذہبوں کو یہ دعویٰ ہے کہ ان کے پیغمبروں کی سیرتیں صرف دھم و کرم اور عفو و درگزر پر مبنی ہیں ، وہ مجھے بتائیں کہ اجتماعی حیثیت سے وہ کتنے دن ان سیرتوں کے مطابق عمل کریں گے قنطنین پہلے عیسائی بادشاہ سے لے کر آج تک عیسائی مذہب میں کتنے صاحب تاج و تخت پیدا ہوئے ، اور کتنی بادشاہیاں قائم ہوئیں مگر ان میں سے کس نے اپنی سلطنت کا قانون صرف اپنے پیغمبر کی سیرت کی پیروی کو قرار دیا ؟ پھر ایسی سیرت جو عملی دنیا میں برحیثیت سے اپنے پیروؤں کے لئے نمونہ نہ ہو کیونکر جامع کہی جاسکتی ہے ؟

حضرت نوح کی زندگی ، کفر کے خلاف غیظ و غضب کا دلولہ پیش کرتی ہے - حضرت ابراہیم کی حیات بت شکنیوں کا منظر دکھاتی ہے ، حضرت موسیٰ کی زندگی کفار سے جنگ و جہاد ، شاہانہ نظم و نسق اور اجتماعی دستور و قوانین کی مثال پیش کرتی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائف صرف خاکساری ، تواضع عفو و

ورگزر اور قناعت کی تعلیم دیتی ہے، حضرت سلیمان کی زندگی مثلاً نے اولوالعزمیوں کی جلوہ گاہ ہے، حضرت ایوبؑ کی حیات صبر و شکر کا نمونہ ہے، حضرت یونسؑ کی سیرت ندامت و انابت اور اعتراف کی مثال ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی قید و بند میں بھی دعوت حق اور جوش تبلیغ کا سبق ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کی زندگی سیرت گریہ و بکا حمد و ستائش اور دعا و ناری کا صحیفہ ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی زندگی امید، خدا پر توکل اور اعتماد کی مثال ہے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کو دیکھو کہ اس میں نوح اور ابراہیم، موسیٰ و عیسیٰ سلیمان اور داؤد، ایوب اور یونس، یوسف اور یعقوب کی زندگیاں اور سیرتیں سلو سسا ہی ہیں

محدث خلیف بغدادی کی ایک ضعیف روایت میں ہے کہ آنحضرت صلم کی پیدائش کے وقت ندا آئی، کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ملکوں ملکوں پھراؤ، اور سمندر کی تہوں میں لے جاؤ کہ تارک دنیا کے ان کے نام نشان کو پہچان جائے۔ جن و انس، چرند و پرند، بلکہ ہر جاندار کے سامنے ان کو لے جاؤ، ان کو آدم کا خلق، شیث کی معرفت، نوح کی شجاعت، ابراہیم کی دوستی، اسمعیل کی زبان احقاق کی رضا، صالح کی فصاحت، لوط کی حکمت، موسیٰ کی سنہنتی ایوب کا صبر، یونس کی اطاعت، یوشع کا جہاد، داؤد کی آواز، دانیال کی محبت، ایاس کا وقار، یحییٰ کی پاک دانسی، اور عیسیٰ کا زہد عطا کرو، اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو،

جن علمائے نے ان کو اپنی روایت میں جگہ دی، ان کا منشاء و حقیقت یہی ہے کہ وہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی صفت جامعیت کو نمایاں کریں، کہ جو کچھ اور انبیاءِ عظیم السلام کو متفرق طور سے عطا ہوا تھا وہ سب مجموعی طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت ہوا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں دیکھو جامعیت کی صفت کاملہ پورے طور پر نمایاں ہو جائے گی مگر کے پیغمبر کو جب مکہ سے یثرب جاتے دیکھو، تو کیا وہ پیغمبر تم کو یاد نہ آئے گا جو مصر سے مدین جاتا نظر آتا ہے، کوہ حرا کے غار نشین اور کوہ سینا کے حماشائی میں ایک حیثیت سے کیسی یکساں نظر آتی ہے، مگر جو فرق ہے وہ یہ ہے، کہ حضرت موسیٰؑ کی آنکھیں کھلی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بند، حضرت موسیٰؑ

باہر دیکھ رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر کوہ زیتوں پر دعا کہنے والے پیغمبر (حضرت عیسیٰؑ) اور کوہ صفا پر چڑھ کر یا معشر قدیش! کہ دو پکارنے والے میں کتنی مشابہت ہے بدرحسین اور احزاب و تیوک والے سپہ سالار اور موافقوں اور عمونیوں اور اموریوں سے تیرا آزما پیغمبر (موسیٰؑ) میں کس قدر مماثلت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے سات سرداروں کے حق میں بددعا کی، تو آپ کی زندگی حضرت موسیٰؑ کے مثل تھی جب انہوں نے ان فرعونوں پر بددعا کی، جو معجزات پر معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لاتے، اور جب آپ نے احد میں اپنے قاتلوں اور دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی

تو اس وقت گویا آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قالب میں تھے، جنہوں نے کبھی اپنے دشمنوں کا بھی برا نہیں چاہا، جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم مسجد نبوی کی عدالت گاہ اور پناہ گاہ میں غزوات اور لڑائیوں میں دیکھو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا نقشہ کھینچ جائے گا، لیکن جب آپ کو مکانوں کے حجرہوں میں پھاڑوں کے غاروں میں رات کی تنہائیوں اور تاریکیوں میں دیکھو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جلوہ نظر آئے گا، شب و روز کے ۲ گھنٹوں میں آپ کی زبان مبارک کی دعاؤں اور سناجاتوں کو سنو تو زبور والے داؤد علیہ السلام کا تم کو دھوکا ہوگا فتح مکہ کے خدمِ چشم اور بصر و علم کے سایہ میں آپ کو دیکھو تو تزک و احتشام اور فوجوں والے سلیمان علیہ السلام کا مغالطہ ہوگا اگر شعب ابی طالب میں آپ کو تین برس اسی طرح مصور دیکھو کہ کھانے کا سامان تک بھی وہاں نہ پہنچ سکے تو مصری قید خانے کے پیغمبر یوسف علیہ السلام کا جلوہ دکھائی دے گا، غرض،

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

انچہ خوباں ہمہ دار نہ تو تنہا داری

حضرت موسیٰ علیہ السلام قانون لے کر آئے، حضرت داؤد

علیہ السلام دعا اور سناجات لے کر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام زہد و اخلاق لے کر مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی لائے، دعا و سناجات بھی، اور زہد و اخلاق بھی، ان سب کا مجموعہ الفاظ و معنی میں قرآن اور عمل میں سیرت محمدی ہے

دوستو! اب سیرت محمدی کی جامعیت کا ایک پہلو تم کو دکھاؤں
 دنیا میں دو قسم کی تعلیم گا ہیں، ایک وہ جہاں صرف ایک فن
 سکھایا جاتا ہے اور ہر فن کے لئے الگ الگ اور مستقل تعلیم گا ہیں
 ہیں، جیسے کوئی میڈیکل کالج ہے کوئی انجینئرنگ کالج ہے، ایک
 آرٹ اسکول ہے، ایک تجارت کا مدرسہ ہے، ایک زراعت کی
 تعلیم گاہ ہے، ایک قانون کی درسگاہ ہے ایک فوجی تعلیم کے
 لئے مدرسہ حربیہ ہے، ان میں سے ہر مدرسہ اور تعلیم گاہ صرف
 ایک ہی قسم کے طالب علموں کی تعلیم کا انتظام کر سکتی ہے میڈیکل کالج
 سے ڈاکٹر نکلیں گے، زراعت کے کالج سے صرف زراعت کے
 ماہر پیدا ہوں گے، قانون کے مدرسہ سے صرف قانون دان
 پیدا ہوں گے، علم فن کے مدرسہ کی خاک سے صرف اہل علم اور اہل
 فن اٹھیں گے، لٹریچر کی تعلیم گاہ سے صرف انشا پرداز اور ادیب
 نکلیں گے، لٹری کالج سے صرف سپاہی پیدا ہوں گے، علیٰ ہذا القیاس
 لیکن کہیں کہیں بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوتی ہیں، یہ دوسری
 قسم کی تعلیم گا ہیں، جو اپنی وسعت کے مطابق ہر قسم کی تعلیم و تربیت
 کا انتظام کرتی ہیں، ان کے احاطہ میں ڈاکٹری کا کالج بھی ہوتا
 ہے، اور صنعت و حرفت کا مدرسہ بھی، زراعت اور انجینئرنگ
 کی تعلیم گاہ بھی ہوتی ہے، اور فوجی تعلیم کا اسکول بھی، طلبہ
 مختلف اطراف و دیار سے آتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق، مناسبت
 طبع اور استعداد کے مطابق ایک ایک کالج یا مدرسہ کا انتخاب
 کر لیتے ہیں، پھر وہاں فوجوں کے جنرل اور سپاہی، عدالتوں کے

قاضی اور قانون دان ، کاروبار کے تاجر اور مہندس ، شفا خانوں کے حکیم اور ڈاکٹر ، پیشوں اور صنعتوں کے واقف کار اور ہر سب ہی پیلا ہوتے ہیں۔

غور کرو تو معلوم ہو گا کہ صرف ایک ہی تعلیم ، ایک ہی پڑھ اور ایک علم کے جاننے والوں سے انسانی سوسائٹی کی تکمیل نہیں ہو سکتی ، بلکہ ان سب کے مجموعے سے وہ کمال کو پہنچتی ہے ، اور پہنچ سکتی ہے ، اگر ایک ہی علم اور ایک ہی پیشہ کے ماہرین سے تمام دنیا معمور ہو جائے تو اس تمدن و تہذیب کی مشین فوراً بند ہو جائے اور انسانی کاروبار یک قلم مسدود ہو جاتے ، یہاں تک کہ

اگر تمام دنیا صرف زہد پیشہ خلوت نشینوں سے بھر جائے ، تب بھی وہ اپنی تکمیل کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی ، اب آؤ اس معیار سے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتوں پر غور کریں بقول حضرت مسیح درخت اپنے پھل سے پہنچانا جاتا ہے ، درس اپنے معنوی فرزندوں ، اور شاگردوں سے پہنچانی جاتی ہیں تعلیم انسانی کی ان درس گاہوں کا جن کے اساتذہ انبیاء علیہم السلام ہیں جاترہ لو تو پہلے کہیں دس بیس ، کہیں ساٹھ ستر کہیں نشتو کہیں کہیں ہزار کہیں دو ہزار کہیں پندرہ بیس ہزار طالب علم آپ کو ملیں گے لیکن جب مدرسہ نبوت کی آخری تعلیم گاہ دیکھیں تو تم کو ایک لاکھ سے زیادہ طالب العلم بیک وقت نظر آئیں گے پھر ان دوسری نبوت گاہوں کے طلبہ کو اگر جاننا چاہو کہ وہ کہاں کے تھے ؟ کون تھے کیسے تیار ہوئے ؟ اور ان کے اخلاق

عادات ، روحانی حالات اور دیگر سوانح زندگی کیا تھے ؟ اور ان کی
 تعلیم و تربیت کے عملی نتائج کیسے ثابت ہوئے ؟ تو تم کو ان
 سوالات کا کوئی جواب نہیں مل سکتا ، مگر محمد صلی اللہ صلعم کی درس گاہ
 میں ہر چیز تم کو معلوم ہو سکتی ہے اس کے ہر ایک طالب العلم کا
 نام و نشان حالات و سوانح ، نتائج تعلیم و تربیت ہر چیز تاریخ
 اسلام کے اوراق میں ثبت ہے ، آگے پڑھو ، نبوت اور دعوت
 مذہب کی ہر درس گاہ کا آج یہی دعویٰ ہے کہ اس کے دروائے
 ہر قوم کے لئے کھلے ہیں مگر اس درس گاہ کے بانی اور معلم اول کی
 سیرت پڑھو کہ کیا اس کے عہد میں کسی ایک ہی ملک ، ایک ہی نسل
 ایک ہی خاندان کے طالب العلم اس میں داخل ہوتے اور ان کو
 داخلہ کی اجازت دی گئی ، یا ان کی دعوت میں یہ عموم جامعیت
 اور عالمگیری تھی کہ نسلِ آدم کا ہر ایک فرزند اور ارضِ خاکی کا ہر
 ایک باشندہ اس میں عملاً داخل ہو سکا یا اس کو داخل ہونے کے
 لئے آواز دی گئی ۔ توراہ کے تمام انبیاء ملک عراق یا ملک شام یا
 ملک مصر سے آگے نہیں بڑھے ۔ یعنی اپنے وطن میں جہاں وہ
 رہتے تھے ، محدود رہے ، اور اپنی نسل و قوم کے سوا غیروں کو
 انہوں نے آواز نہیں دی ، زیادہ تر ان کی کوششوں کا مرکز صرف
 اسرائیل کا خاندان رہا ، عرب کے قدیم انبیاء بھی اپنی اپنی قوموں
 کے ذمہ دار تھے ، وہ باہر نہیں گئے ، حضرت عیسیٰ کے مکتب میں بھی
 غیر اسرائیلی وجود نہ تھا ، وہ صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں
 کی تلاش میں تھے (ستی باب ۷ آیت ۲۴) اور غیروں کو تعلیم دے کر

وہ بچوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔
 (انجیل) ہندوستان کے داعی پاک آر یہ ورت سے باہر جانے کا
 خیال بھی دل میں نہیں لاسکتے تھے۔ اگرچہ بودھ کے پیرو بادشاہوں
 نے اس کے پیغام کو باہر کی قوموں تک پہنچایا، مگر یہ عیسائیوں
 کی طرح باہر کے پیروؤں کا فعل تھا، خود داعی مذہب کی سیرت
 اس عالمگیری اور جامعیت کی مثال سے خالی ہے

اب آؤ! عرب کے اس امی معلم کی درس گاہ کا مطالعہ
 کریں، یہ کون طالب العلم ہیں؟ یہ ابو بکر و عمر علی و عثمان،
 طلحہ و زبیر وغیرہ (رضی اللہ عنہم) مکہ کے قرشی طالب العلم ہیں؟
 یہ کون ہیں؟ ابو ذر اور انیس ہیں، یہ مکہ سے باہر تھاہہ کے
 غفاری قبیلہ کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ابو ہریرہ اور طفیل بن عمرو
 ہیں، یمن سے آئے ہیں اور دوسری قبیلہ کے ہیں۔ یہ کون ہیں؟
 یہ ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل ہیں، یہ یمن سے آئے ہیں
 اور دوسرے قبیلوں کے ہیں، یہ کون ہیں؟ یہ ثباب ابن الارث
 قبیلہ تمیم کے ہیں، یہ منقذ بن حیان اور منذر بن عاتق ہیں عبد القیس
 کے قبیلہ کے ہیں اور بکمرین سے آئے ہیں، یہ عید و جعفر عمان کے
 رئیس ہیں، یہ قزوہ ہیں، یہ معان یعنی حدود شام کے رہنے والے
 ہیں۔ یہ کالے کالے کون ہیں؟ یہ بلال ہیں، ملک حبش کے رہنے
 ہیں، یہ کون ہیں صہیب رومی کہلاتے ہیں۔ یہ کون ہیں؟ یہ ایران
 کے سلیمان فارسی ہیں۔ یہ فیروز دہلی ہیں، یہ نجیت اور مرکب
 ہیں، نسلاً ایرانی ہیں۔

حدیبیہ کی صلح، شرم میں وہ عمد نامہ مرتب کراتی ہے جو اسلام کا عین منشا ہے یعنی قریش اور مسلمان دونوں فریق جنگ موقوف کریں۔ اور مسلمان جہاں چاہیں اپنے مذہب کی دعوت دیں۔ اس دل خواہ کامیابی کے بعد پیغمبر اسلام علیہ السلام نے

کیا کیا؟ اسی سال سترہ میں تمام قوموں کے سلاطین اور امراء کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے اور ان کو خدا کا پیغام پہنچایا۔ دیکھ لکھی ہر قل قیصر روم کی بارگاہ میں عبداللہ بن خداؤ سمہی خسرو پرویز شہنشاہ ایران کے دربار میں۔ عاتب بن قیس عذریہ مصر کے یہاں عمرو بن امیہ حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس شجاع بن وہب الاسدی شام کے رئیس عارت غسانی اور سلیط بن عمرو روساے یمامہ کے درباروں میں پیغمبر اسلام کے خطوط لے کر جاتے ہیں کہ محمد کی درسگاہ میں داخلہ اذن عام ہے۔

حضرات! اس واقعہ سے درس گاہ میں داخلہ کا اذن عام ہے نمایاں ہوتا ہے کہ اس میں داخلہ کے لئے رنگ روپ، ملک وطن قوم و نسل اور زبان لہجہ کا سوال نہ تھا، بلکہ وہ دنیا کے تمام خانوادوں، تمام قوموں، تمام ملکوں، اور تمام زبانوں کے لئے عام تھی،

صلواتے عام سے یاران تکتہ داں کے لئے

اب آؤ اس درس گاہ کی حیثیت اور درجہ کا پتہ لگائیں،

کیا یہ اسکول اور کالج سے جہاں ایک ہی فن کی تعلیم ہوتی ہے یا اس کی حیثیت ایک جامع اور عمومی درس گاہ اور عظیم الشان

یونیورسٹی کی ہے، جہاں فوق، سنا سبب طبع اور استعداد کے مطابق ہر ملک کے لوگوں کو اور ہر قوم کے افراد کو الگ الگ تعلیم ملتی ہے، حضرت موسیٰ کی تعلیم گاہ کو دیکھو۔ وہاں صرف توحہ کے سپاہی اور یوشع جیسے فوجی افسر اور قاصی اور کچھ نمبرسی عہدہ دار پاستے جاتے ہیں، حضرت عیسیٰ کے طالب علموں کی تلاش کرو، چند زابہ پیشہ فقراء فلسطین کی گلیوں میں ملیں گے محمد رسول اللہ صلم کے ہاں کیا نظر آتے گا؟ ایک طرف اصم حبش کا نجاشی بادشاہ، فروہ معان کا رئیس عبید و جعفر عمان کے رئیس، عامر بن شہر قلید، ہمدان کا رئیس، فیروز و ولیمی اور سرکوبدین کے رئیس، عبید و جعفر عمان کے رئیس، دوسری طرف بلال، یاسر، صہیب، خصاب، عمار، اور فکیہہ کے سے غلام، اور سمیہ لیبیہ، زبیرہ، نہدیہ اور ام عبیسہ کی لونڈیاں ہیں، غور سے دیکھو، ابرد غریب، شاہ گدا، آقا و غلام دونوں ایک ہی صفت میں کھڑے ہیں ایک طرف عقلا سے روزگار، اسرارِ فطرت کے مجرم، دنیا کے جہانباں اور ملکوں کے فرمانروا اس درس گاہ سے تعلیم پا کر نکلے ہیں، ابو بکر صدیق ہیں عمر فاروق ہیں، عثمان غنی ہیں علی المرتضیٰ ہیں، معاویہ بن ابی سفیان ہیں جنہوں نے مشرق سے مغرب تک افریقہ سے ہندوستان کی سرحد تک فرما لڑائ کی، اور ایسی فرمانروائی جو دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہ اور حکمران کی سیاست و تدبیر اور نظم و نسق کے کارناموں کو منسوخ کر دیتی ہے

ان کے عدل و انصاف کے فیصلے، ایرانی دستور اور رومی قانون کو بے اثر کر دیتے ہیں، اور دنیا کی سیاسی و انتظامی تاریخ میں وہ درجہ حاصل کر لیتے ہیں جن کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولیدؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، ابو عبیدہ بن جراحؓ، عمرو بن العاصؓ پیدا ہوتے ہیں، جو مشرق و مغرب کی دو ظالم و گنہگار اور انسانیت کے بے لعنت سلطنتوں کا چند سال میں سر قلع الٹ دیتے ہیں، اور دنیا کے وہ فاتح اعظم اور سپہ سالار اکبر ثابت ہوتے ہیں، جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے، سعدؓ نے عراق و ایران کا تاج شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا، خالد اور ابو عبیدہؓ نے رومیوں کو شام سے نکال کر ابراہیم کی موعودہ زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی عمرو بن العاصؓ نے فرعون کی سرزمین، وادی نیل رومن شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی، عبید اللہ بن زبیر اور ابن ابی شرحبہ نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا، یہ وہ مشہور فاتح اور سپہ سالار ہیں، جن کی قابلیتوں کو زمانہ نے تسلیم کیا، اور تاریخ نے ان کی بزرگی کی شہادت دی ہے،

تیسری طرف باذان بن ساسان (مین) خالد بن سعید (صناعہ) مہاجر بن امیہؓ (کنندہ) زیاد بن لبید (حضرت موت) عمرو بن حزم (نجران) زبیر بن صفیان (ثیماء) علاء بن حضری (بحرین) وغیرہ بیوں وہ صحابہؓ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی، اور

خلق خدا کو آرام پہنچایا، چچہ تھی طرف علماء اور فقہاء کی صف سے ابن خطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن العاصؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ام سلمہؓ، ابی بن کبؓ، معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، ابن زبیرؓ وغیرہ ہیں، جنہوں نے اسلام کے قہر و قانون کی بنیاد ڈالی، اور دنیا کے متقین میں انہوں نے خاص درجہ پایا، پانچویں صف عام ارباب روایت و تاریخ کی ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبادہ بن صامتؓ، حضرت بابرؓ، بن عبداللہؓ، حضرت براء بن عازبؓ وغیرہ سیکڑوں صحابہ ہیں جو احکام و وقائع کے ناقل اور راوی ہیں، ایک چھٹی جماعت ان شتر صحابہ (اہل صفہ) کی ہے۔ جن کے پاس سر رکھنے کے لئے مسجد نبوی کے چبوترہ کے سوا کوئی جگہ نہ تھی، بدن پر کپڑوں کے سوا اپنا میں ان کی ملکیت نہ تھی وہ دن کو جنگل سے لکڑیاں کلٹ کر لاتے اور ان کو بیچ کر خود دکھاتے، کچھ خدا کی راہ میں دیتے اور رات کو طاعت و عبادت میں بسر کرتے تھے، ساتواں رنخ دیکھو، ابو ذرؓ ہیں، جن کے مانند آسمان کے نیچے ان سے زیادہ حق گو کوئی پیدا نہیں ہوا، ان کے نزدیک آج کا کھانا ناکل کے لئے اٹھا رکھنا بھی شان توکل کے خلاف تھا، ان کو دربار رسالت نے مسیح الاسلام کا خطاب عنایت کیا تھا، سلمان فارسیؓ ہیں، جو زہد و تقویٰ کی تصویر ہیں، عبداللہ بن عمرؓ ہیں، جنہوں نے تیس برس کامل طاعت و عبادت میں گزارے

اور جب ان کے سامنے خلافت پیش ہوئی تو فرمایا کہ اگر اس میں مسلمانوں کا ایک قطرہ بھی خون گرے تو مجھے منظور نہیں، مصعب بن عمیرؓ میں جو اسلام لائے پہلے قاقم و صریر کے کپڑے پہنتے اور ناز و نعمت میں پلے تھے، اور جب اسلام لائے تو ٹاٹ اور مٹے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے اور جب شہادت پائی تو کفن کے لیے پورا کپڑا تک نہ ملا، پاؤں پر گھاس ڈال کر دفن ہوئے، عثمان بن مظعونؓ میں، جو اسلام کے پہلے صوفی کہلاتے ہیں، محمد بن سلمہؓ میں جو فتنہ کے زمانہ میں کہتے تھے کہ اگر کوئی مسلمان تلوار لے کر میرے حجرے میں میرے قتل کرنے کو داخل ہو جائے تو میں اس پر وار نہ کروں گا، ابودرداءؓ ہیں جن کی راتیں نمازوں میں اور دن روزوں میں گزرتے تھے،

ایک اور طرف دیکھو :- یہ بہادر کار پردازوں اور عرب کے مدبرین کی جماعت، اس میں طلحہؓ ہیں، زبیرؓ ہیں، مغیرہؓ ہیں، مقدادؓ ہیں، سعد بن سعاذہؓ ہیں، سعد بن عبادہؓ ہیں، اسید بن حضیرؓ ہیں، سعد بن زہارہؓ ہیں، عبدالرحمن بن عوفؓ ہیں، کارباری دنیا میں دیکھو تو مکہ کے تاجر اور سیو پاری اور مدینہ کے کاشتکار بھی ہیں اور کسان بھی ہیں، اور عبدالرحمن ابن عوفؓ اور سعد بن زبیرؓ جیسے دو تہند بھی ہیں ایک جماعت حق کے شہیدوں اور بے گناہ مقتولوں کی ہے جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنی عزیز جانیں قربان کیں، مگر حق کا ساتھ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر

سے فرزند ہمارے تلواروں سے قیرہ کیے گئے، سیدنا حضرت عمارؓ کی والدہ
 ابو جہل کی برچھی کھا کر ہلاک ہوئیں، حضرت یاسرؓ کفار کے ہاتھ
 سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے مر گئے، حضرت خلیب نے سولی پر
 جان دے دی۔ حضرت زید نے تلوار کے سامنے گردن جھکائی
 احرام بن سلمان اور ان کے اہتر رفقائے نے بیر معونہ پر عقیقہ۔

رعل اور ذکوان کے قبائل کے ہاتھوں بے کسی کے ساتھ جام شہادت
 پیا، واقعہ رجب میں حضرت عامرؓ اور ان کے سات رنیتوں کے
 بدن بنو لیحیان کے سوتیر اندازوں کے تیروں سے چھلنی ہوئے
 کسبہ میں ابن ابی العوجاء کے ۹ ساتھی قبیلہ بنو سلیم کے
 ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت کعب بن عمر غفاری مع اپنے ساتھیوں
 کے ذات اطلاق کے میدان میں شہید ہوئے دنیا کے ایک مشہور
 مذہب کو ایک سولی پر ناز ہے۔ لیکن دیکھو کہ اسلام میں کتنی
 سولیاں، کتنے نذبح اور کتنے مقتل ہیں۔

تلوار کی دھار ہو کہ برچھی کی انی، یا سولی کی لکڑی، ہر حال
 یہ ایک آنی تکلیف ہے، اس سے زیادہ استقلال اور اس سے
 زیادہ صبر و آزمائش کی وہ زندگیاں ہیں جو سالہا سال حق کی
 سعیوں میں گرفتار ہیں، جنہوں نے آگ کے شعلوں اور گرم ریت
 کے فرش پر آرام کیا اور پتھر کے سلوں کو اپنے سینوں پر رکھا، جن
 کے گلوں میں رسیاں ڈال کر گھسیٹی گئیں اور حیب پوچھا گیا تو
 وہی محمدؐ کا کلمہ ان کی زبانوں پر تھا شعب ابی طالب کی قید میں تین

برس تک جنہوں نے طلح (ایک درخت) کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر
 کی، یعنی سعد بن ابی وقاص - وہ کہتے ہیں کہ ایک رات بھوک کی شدت
 سے ایک سوکھا چمڑا مل گیا تو اسی کو دھو کر آگ پر بھون کر اور
 پانی میں ملا کر کھایا عقبہ بن عمروان کہتے ہیں کہ ہم سات مسلمان
 تھے، اور غیر فطری غذاؤں کو کھا کھا کر ہمارے منہ رخی سو گئے
خبابؓ جب اسلام لائے تو کافروں نے ان کو دیکھتے ہوئے کونکوں
 پر لٹایا، یہاں تک کہ یہ دیکھتے ہوئے کونکے انہی کی بیٹھ کے پیچھے
 ٹھٹھے ہو گئے، بلالؓ دوپہر کی جلتی ریت پر لٹاتے جاتے اور سینہ
 پر پتھر کی سہل رکھ دی جاتی، ان کے گلے میں رسی باندھی جاتی،
 اور گلی گلی ان کو گھسیٹا جاتا، ابو کھیرہؓ کو ان کے پاؤں میں
 رسی باندھ کر زمین پر گھسیٹا گیا، ان کا گلا دبا گیا، ان کے سینہ
 پر اتنا بھاری پتھر رکھا گیا کہ زبان نکل پڑی، عمار جلتی ریت کے فرش
 پر لٹائے جاتے، اور مارے جاتے، حضرت زیرؓ کو ان کا چچا
 چٹائی میں پیٹ کر ناک میں دھواں دیتا، سعد بن زیدؓ رسیوں
 میں باندھ کر پیٹے جاتے، حضرت عثمان کو ان کے چچا نے رسی باندھ
 کر مارا، یہ مگر یہ سب کچھ تھا مگر جو نشہ چڑھ چکا تھا، وہ اترتا نہ
 تھا، یہ کیسا نشہ تھا، یہ ساتی کوثر کے خمنہ جاوید کا نشہ تھا،
 عزیز بن غور کا مقام ہے، یہ وہی وحشی عرب، وہی
 بت پرست عرب، وہی بد اخلاق عرب ہیں، یہ کیا اطفال
 ہو گیا تھا؟ ایک آدمی کی تعلیم، جاہل عربوں کو عاقل، روشن دل

روشن دماغ اور متقن کیونکر بنا گئی؟ ایک نیتے پینمبر کا ولولہ، تبلیغ کس میسرس عربوں کو سپہ سالار اور بہادر بنا کر نئے زندہ و قوت کا خزانہ کیسے عطا کر گیا۔ جو خدا کے نام سے بھی آشنا تھے، وہ ایسے شب زندہ دار، عابد، متقی اور طاعت گزار کیونکر ہو گئے۔ تم نے درس گاہ محمدی یا مدینہ یونیورسٹی کی پوری برکھری، ہرزنگ اور مذاق کے طالب العلم دیکھے، عالم بھی دیکھے، مرتے والے دیکھے، فوجی بھی دیکھے، قاضی عدالت بھی دیکھے، غریب و مسکین بھی دیکھے، شاہ امیر بھی دیکھے، غلام بھی دیکھے، آقا بھی دیکھے، لڑنے والے بھی دیکھے، مرتے والے بھی دیکھے، راہ حق کے شہیدوں کو بھی دیکھا۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟ اس کے سوا کیا فیصلہ ہو سکتا ہے، کہ محمد رسول اللہ صلعم کی ذات، انسانی کمالات اور صفات حسنہ کا ایک کامل مجموعہ تھی، اور یہ سب انہی کی جامعیت کی نیرنگیاں اور جلوہ آرائیاں تھیں، جو کبھی صدیق و فاروق ہو کر حکمتی تھیں، کبھی ذی التورین اور مرتضیٰ ہو کر نمایاں ہوتی تھیں، کبھی خالدؓ اور ابو عبیدہؓ اور کبھی سعد و جعفر طیار ہو کر سامنے آتی تھیں، کبھی ابن عمرؓ اور ابو ذرؓ اور سلمانؓ اور ابو ذرؓ ہو کر مسجد و محراب میں نظر آتی تھیں، کبھی ابن عباسؓ ابی بن کعبؓ، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود کی صورت میں علم و فن کی درس گاہ، اور عطل و حکمت کا دبستان بن جاتی تھیں اور کبھی بلالؓ و صہیبؓ اور عمار و خبیبؓ کی استمان گاہوں میں تسلی

کی روح اور تسکین کا پیغام بن جاتی تھیں ، گویا رسول اللہ صلعم کا وجود مبارک آفتاب عالمتاب تھا ، جس سے اور نیچے پہاڑ ، ریتلے میدان ، بستی نہریں ، سرسبز کھیت ، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا ، اور قسم قسم کے درخت اور رنگا رنگ پھول ، اور پتے ہم رسے تھے ، اور آگ رسے تھے ان نارنگیوں کے ساتھ اور اس اختلاف استعداد کے باوجود ایک چیز تھی جو مشترک طور سے سب میں نمایاں تھی ، وہ ایک بجلی تھی جو سب میں کوند رہی تھی ، ایک روح تھی ، جو سب میں تڑپ رہی تھی ، وہ بادشاہ ہوں یا گنا ، امیر ہوں یا غریب حاکم ہوں یا محکوم ، قاضی ہوں یا گواہ ، افسر ہوں یا سپاہی استاد ہوں یا شاگرد - عابد و زاہد ہوں یا کاروباری غازی ہو یا شہید ، توحید کا نور ، اخلاص کی رو ، قربانی کا دلولہ خلق کی ہدایت اور رہنمائی کا جذبہ ، اور بالآخر ہر کام میں خدا کی رضا طلبی کا جوش ہر ایک کے اندر کام کر رہا تھا ، وہ جو کچھ بھی ہوں ، اور جہاں بھی ہوں اور جو بھی کر رہے ہوں ۔ یہ فیضان حق سب میں یکساں اور برابر تھا ، راستوں ، رنگتوں اور مذاقوں کا اختلاف تھا ، مگر خدا ایک تھا ، قرآن ایک تھا ، رسوا ایک تھا ، اور قبلہ ایک تھا ، ہر رنگ ، ہر راستہ اور ہر کام سے مقصود دنیا کی درستی ۔ خلق کی ہمدردی ، خدا کے نام کی اونچائی اور حق کی ترقی تھی اور اس کے سوا کوئی چیز ان کے پیش نظر نہ تھی

دوستو! میں نے آج کی تقریر میں محمد رسول اللہ صلعم کی
صفتِ جامعیت کی نیرنگیاں مختلف پہلوؤں سے دکھائیں، اگر تم
مطالعہٴ فطرت کے بعد یقین رکھتے ہو کہ یہ دنیا انسانی مزاجوں
اور انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کے اختلاف کا نام ہے تو یقین
رہو کہ محمد رسول اللہ کی جامع شخصیت کے سوا اس کا کوئی آخر اور
دائم اور عالمگیر رہنما نہیں سکتا اسی لئے اعلان فرمایا ان کُنْتُمْ
مُحِبِّينَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِي يَحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

اگر تم کو خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو
اگر تم بادشاہ ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم رعایا ہو تو میری
پیروی کرو، اگر تم سپہ سالار ہو اور سپاہی ہو تو میری پیروی کرو
اگر استاد اور معلم ہو تو میری پیروی کرو، اگر دولت مند ہو تو
میری پیروی کرو اگر غریب ہو تو میری پیروی کرو، اگر بیکس ہو تو
اور مظلوم ہو تو میری پیروی کرو، اگر تم خدا کے عابد ہو تو میری پیروی
کرو اگر قوم کے خادم ہو تو میری پیروی کرو، غرض جس نیک راہ
پر بھی ہو اور اس کے لئے بلند سے بلند اور عمدہ سے عمدہ نمونہ
چاہتے ہو تو میری پیروی کرو،

۶

عملی پہلو یا عملیت

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اَسْوَةٌ حَسَنَةٌ

صاحبو! محمد رسول اللہ کی پیروی کس چیز میں اور کیونکر کرنی

چاہتے، اس کیلئے آج ہم کو سیرۃ نبوی علی صاحبہا السَّلَام کا
 عملی پہلو دکھانا ہے، یہ انبیائے کرام اور باننان مذاہب کی موجود
 سیرتوں کا وہ باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے، لیکن
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے
 اور تنہا ہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کا سرکار
 اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے، مفید نصیحتوں، سیٹھی سیٹھی
 باتوں باتوں اور اچھی اچھی تعلیموں کی دنیا میں کمی نہیں، کمی جس کی
 ہے وہ کام عمل ہے، موجودہ مذاہب کے شارعوں اور ہانیوں
 کی سیرتوں کے تمام صفحے پڑھو آؤ، دلچسپ تصویریاں ملیں گی
 ولا دیر حکایتیں ملیں گی، غلیباً نہ پلندہ آہنگیاں ملیں گی تقریر کا
 زور شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ موثر تمثیلیں
 تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل،
 کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ بروت کر اور کر کے دکھانا ہے
 انسان کی عمل سیرت کا نام خلق (اخلاق) ہے، قرآن کے
 سوا اور کس مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات
 کی کھلی شہادت دی ہے، کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند
 انسان تھا، لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست و دشمن کے
 مجمع میں علی الاعلان کہا۔

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ
 مَمْنُونٍ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ
 عَظِيمٍ (قلہ ۱۰)

(اے محمد) بے شک تیری مزدوری نہ
 ختم ہونے والی ہے اور بے شک تو
 بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہے،

یہ دونوں فقرے گو نحو میں معطوف و معطوف علیہ ہیں، لیکن درحقیقت اپنے اشارہ النص اور ترکیب کلام کے لحاظ سے علت و معلول ہیں یعنی دعویٰ اور دلیل ہیں، پہلے ٹکڑہ میں آپ کے اجر کے نہ ختم ہونے کا دعویٰ ہے، اور دوسرے ٹکڑے میں آپ کے عمل اور اخلاق کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، یعنی آپ کے اعمال اور آپ کے اخلاق خود اس کی دلیل ہیں کہ آپ کے اجر کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا کہ کا امی معلم صلعم بار کر کہتا تھا

لِمَتَقَوُّونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (صفا) کیوں تم کہتے ہو جو کرتے نہیں،

اور اس اعلان کا اس کو حق تھا، کیونکہ وہ جو کچھ کرتا تھا اس کو کر کے دکھا دیتا تھا، کوہ زیتون کے واغظ (حضرت عیسیٰ مسیح) اور کوہ صفا کے مبلغ (محمد رسول اللہ) ان دونوں کی سیرتوں کو اس عملی حیثیت سے پڑھو، اور مطالعہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ ایک کی سیرت اس سے یکسر خالی ہے، تو دوسری کی سرتا پامعوراً قوت پا کر عفو اور حلم پیش کرنا اخلاقی ہے، لیکن کسی مغرور، مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو اور حلم سے نہیں کی جا سکتی، ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں، کسی کو قتل نہیں کیا، کسی کے ساتھ برائی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں، یہ بتاؤ کہ مارا تو نہیں، لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد بھی کی، کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچا یا بھی، کسی کے ساتھ برائی

نہیں کی، لیکن سب کے ساتھ اچھا ہی بھی کی کی، کسی کا مال نہیں
 چھینا، لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی ہے۔ اپنے لیے گھر نہیں
 بنایا، لیکن کسی گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی دی ہے؟ اپنے لئے
 کچھ جمع نہیں کیا، لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی، دنیا
 کو بھی یہ خبر تھی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں، اور ابھی کا نام
 عمل ہے قرآن پاک گواہی دیتا ہے،

فِي مَا رَحِمَهُ مِنَ اللَّهِ
 لَنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ
 فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
 لَأَنْفَضُوهُ مِنْ حَوْلِكَ
 (آل عمران - ۶۱)

بس خدا کی عنایت سے تم ان کے
 لئے نرم ہو رہے تھے اور اگر تم
 رکھیں) کج خلق اور سخت دل ہوتے
 تو البتہ یہ لوگ جو تمہارے لئے ہوتے
 ہیں، تمہارے ارد گرد سے پھٹ
 جاتے

یہ آنحضرت صلعم کی نرم دلی کا اتوار بیان ہے، جو دعویٰ
 اور دلیل کے ساتھ خود صحیفہ الہی ہیں موجود ہے، کہ اگر آپ
 نرم دل اور رحیم نہ ہوتے تو یہ وحشی، نڈھ بے خوف اور
 درشت مزاج عرب کبھی آپ کے گرد جمع نہ ہوتے، دوسری جگہ
 ارشاد ہے

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
 عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ
 بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ
 (توبہ)

تمہارے پاس خود تم میں سے ایک پیغمبر
 آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق
 گندتی ہے، تمہاری بھلائی کا ڈبھوکا
 ہے ایمان والوں پر نہایت شفیق اور

مہربان ہے

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کے ان ترجمانہ جذبات کا ذکر فرمایا ہے، جو تمام بنی نوع اور تمام بنی آدم کے ساتھ تھے، چنانچہ فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا تکلیف و مصیبت اٹھانا، حق کے قبول سے انکار کرنا اور اپنی جمالت و گنہگاری پر اس طرح ڈٹے رہنا رسول پر شاق ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر طلبی کا وہ بھوکا ہے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خواہی تمہاری دعوت اور پکار کو سن لیتے ہیں، وہ ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے، غرض اس آیت پاک میں اس بات کی شہادت ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم تمام بنی نوع انسان کے خیر خواہ اور خیر طلب تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے یہ آپ کے عملی اخلاق کے متعلق آسمانی شہادتیں ہیں

قرآن پاک، اسلام کے احکام اور آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے

جو تعلیمات انسان کو پہنچانی گئیں، ان کا مجموعہ ہے بحیثیت ایک علیٰ پیغمبر کے آنحضرت صلعم کی سیرت مبارک درحقیقت قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے جو حکم آپ پر اتارا گیا، آپ نے خود اس کو کر کے بتایا، ایمان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، جہاد، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، ان کے علاوہ، اور حسن عمل و حسن خلق کی باتیں، جس قدر آپ نے فرمائیں، ان کے لئے سب سے پہلے آپ نے اپنا ہی نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن میں تھا، وہ سب مجسم ہو کر آپ کی زندگی میں نظر آیا، چند صحابی حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ یا ام المومنین حضور کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے، ام المومنین جواب میں کہتی ہیں کیا تم نے قرآن میں نہیں پڑھا

ہے؛ گانِ خلق رسول اللہ صلعم القرآن، آپ کا اخلاق قرآن تھا، (ابو داؤد)
قرآن الفاظ و عبارت ہے اور محمد رسول اللہ صلعم اس کی علی تفسیر،

انسان کے اخلاق، عادات، اور اعمال کا بیوی سے بڑھ کر کوئی واقعہ
کار نہیں ہو سکتا، آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت حضرت
خدیجہؓ کے نکاح کو ۱۵ برس ہو چکے تھے، اور یہ مدت اتنی بڑی ہے جس
میں ایک انسان دوسرے انسان کے عادات و خصائل اور طور طریقہ سے

ابھی طرح واقف ہو سکتا ہے، اس واقفیت کا اثر حضرت خدیجہؓ پر
پڑتا ہے کہ ادھر آپ کی زبان سے اپنی نبوت کی خبر نکلتی ہے، اور ادھر
حضرت خدیجہؓ کا دل اس کی تصدیق کو آمادہ ہو جاتا ہے، آنحضرت

صلعم جب نبوت کے بائراں سے گھبراتے ہیں تو حضرت خدیجہؓ متلیکن
دیتی ہیں، کہ یا رسول اللہ خدا آپ کو برگزٹنہا نہیں چھوڑے گا کیونکہ

آپ قرابت والوں کا حق پورا کرتے ہیں، متروضوں کا قرض ادا
کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہانوں کی خاطر تواضع کرتے

ہیں، مصیبتوں میں آپ لوگوں کے کام آتے ہیں، (بخاری) غور کیئے
یہ آپ کی وہ مثالیں ہیں جو نبوت سے پہلے آپ میں موجود تھیں

آنحضرت صلعم کی تمام بیویوں میں حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے

زیادہ محبوب حضرت عائشہؓ تھیں، حضرت عائشہؓ نو برس متصل آپ کی صحبت

میں رہیں، وہ گواہی دیتی ہیں کہ حضور کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے

کی نہ تھی، آپ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ معاف

کر دیتے تھے، آپ گناہ کی باتوں سے کوسوں دور رہتے تھے

آپ نے کبھی کسی سے اپنا بدلہ نہیں لیا، آپ نے کبھی کسی غلام، لونڈی

عورت یا خادم یہاں تک کہ کسی جانور تک کو کبھی نہیں مارا، آپ نے کبھی کسی کی جائز درخواست اور فرمائش کو رد نہیں فرمایا

رشتہ داروں میں حضرت علی سے بڑھ کر کوئی آپ کے دن رات کے حالات اور اخلاق سے واقف نہ تھا، وہ بچپن سے جوانی تک آپ کی خدمت میں رہے تھے وہ گواہی دیتے ہیں، کہ ہنس مکھ طبیعت کے نرم، اور اخلاق کے نیک تھے طبیعت میں مہربانی تھی سنت مزاج نہ تھے، کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے، لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو نہیں ڈھونڈا کرتے تھے کسی کی کوئی فرمائش اگر مزاج کے خلاف ہوتی تو خاموش رہ جاتے نہ اس کو صاف جواب دے کر مایوس کر دیتے تھے نہ اپنی مستوری ظاہر فرماتے تھے، واقفکار اس انداز خاص سے سمجھ جاتے کہ آپ کا منشا کیا ہے، یہ اس لئے تھا کہ آپ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے، دل شکنی نہیں کرتے تھے بلکہ دلوں پر مہم رکھتے تھے کہ آپ رؤف رحیم تھے۔“

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ”آپ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھے تو خوش ہو جاتے آپ کے پہلی مرتبہ جو دیکھتا وہ مرعوب ہو جاتا، لیکن جیسے جیسے وہ آپ سے ملتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ شامک ترغدی، آپ کی سیرت پڑھ کر بعینہ یہی خیال انگینڈ کے سب سے مشہور مورخ گیبس نے ظاہر کیے۔“

آنحضرت صلعم کے سوتیلے فرزند یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر

سے صاحبزادہ حضرت ہمنڈ جو گویا آپ کے پروردگارتھے گواہی دیتے ہیں کہ آپ طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے، کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کہتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کا شکریہ ادا کرتے تھے، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے کھانا جیسا ساتے آتا کھا لیتے، اس کو برا نہ کہتے، آپ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے نہ کسی کی دل شکنی گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق بات کی مخالفت کرتا، تو حق کی طرف داری میں آپ کو غصہ آجاتا تھا اور اس حق کی آپ پوری حمایت فرماتے تھے (شمائل)

یہ آپ کے حق کی ان لوگوں کی شہادتیں ہیں جو آپ سے بہت نزدیک اور آپ سے بہت زیادہ واقف تھے اس سے یہ معلوم ہوگا کہ آپ کی سیرت مبارکہ کی عملی حیثیت کیسی بلند تھی آپ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحیثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیرووں کو جو نصیحت فرمائی اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا

آپ نے لوگوں کو خدا کی یاد اور محبت کی نصیحت کی، صحابہؓ کی زندگی میں اس تلقین کا اثر نمایاں ہوا وہ تو الگ چیز ہے، خود آپ کی زندگی کہاں تک اس کے مطابق تھی، اس پر غور کرو۔ شب و روز میں کم کوئی ایسا لمحہ تھا جب آپ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے،

صوتے جاگتے، پینتے اوڑھتے، ہر حالت میں اور ہر بات خدا کا ذکر اور اس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی، آج صحت کی کتابوں کا ایک کثیر حصہ انہی مبارک کلمات اور دعاؤں کے بیان میں ہے، جو مختلف حالات اور مختلف وقتوں کی مناسبت سے آپ کی زبان فیض اثر سے ادا ہوئیں، حصن حصین و دوسو صفحوں کی کتاب صرف ان کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ ہے، جن کے فقرہ فقرہ سے خدا کی محبت، عظمت، جلالت، اور خشیت نمایاں ہیں اور جن سے ہر وقت زبان اقدس تر رہتی تھی، قرآن نے اچھے بندوں کی تعریف کی ہے

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَيَّامًا ذُكُورًا جُحُودًا سُبُحًا
وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ رَأَىٰ عَمْرَأُ بْنُ الْعِمْرَانِ - آیت ۱۹۱

پر لیٹے ہر وقت خدا کو بارتے ہیں

یہی آپ کی زندگی کا نقشہ تھا، چنانچہ حضرت عائشہ کہتی ہیں

آپ ہر وقت اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔
آپ نے لوگوں کو نماز کا حکم دیا، مگر خود آپ کا حال کیا تھا
عام پیروؤں کو تو پانچ وقتوں کی نماز کا حکم تھا، مگر خود آپ پانچ
وقت نماز پڑھتے تھے، طلوع آفتاب کے بعد اشرق، کچھ اردن
چڑھنے کے بعد چاشت، پھر ظہر، پھر عصر، پھر مغرب، پھر عشاء، پھر
تہجد، پھر صبح عام مسلمانوں پر تو صبح کو دو رکعتیں، مغرب کو تین
اور بقیہ اوقات میں چار چار رکعتیں فرض ہیں گویا کل شب دو رکعتیں
سترہ رکعتیں ہیں، مگر آنحضرت صلعم ہر روز کم و بیش بیچاس ساٹھ
رکعتیں افرمایا کرتے تھے، پنج وقتہ نماز کی فرضیت کے بعد تہجد کا نماز

عام مسلمانوں سے معاف ہو گئی تھی، مگر آنحضرت صلعم اس کو بھی تمام عمر ہر شب ادا فرماتے رہے، اور پھر کیسی نماز کہ رات رات بھر کھڑے کھڑے رہ جاتے، کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا، حضرت عائشہ عرض کرتی ہیں، اللہ نے تو آپ کو ہر طرح معاف کر دیا ہے پھر اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں فرماتے اے عائشہ! کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں، یعنی یہ نماز عیشیۃ الہی سے نہیں ہے بلکہ محبت الہی اس کا منشا ہے رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ سجدہ کرنا بھول گئے نبوت کے آغاز ہی سے آپ نماز بڑھتے تھے کفار آپ کے سخت دشمن تھے، مگر بایں ہمہ عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز بڑھتے تھے، کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ پر حمل کیا مگر اس پر بھی خدا کی یاد سے باز نہ آئے، سب سے سخت موقع نماز گاہ ہوتا تھا، جب کفار کی فوجیں مقابل ہوتیں، تیر و جنز چلتے ہوتے، لیکن اوپر نماز کا وقت آیا، اور ادھر ہر صفیں درست ہو گئیں، بدر کے معرکہ میں تمام مسلمان دشمنوں کے مقابل کھڑے تھے، مگر خود ذات اقدس خدا کے آگے سجدہ میں جھکی ہوئی تھی۔ تمام عمر میں کوئی نماز عموماً اپنے وقت سے نہیں مٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کسی وقت کی نماز قضا ہوتی، ایک تو غزوہ خندق میں کافروں نے عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا، اور ایک دن اور کسی غزوہ میں سفر میں رات بھر چل کر صبح کو تمام لوگ سو گئے تو آپ نے بعد کو نماز ادا کی، اس زیادہ یہ کہ مرض الموت میں شدت کا بخار تھا، بہت تکلیف تھی، مگر نماز، حتیٰ کہ جماعت بھی ترک نہ ہوئی

تقوت جو اب سے چکی تھی، مگر دو صحابیوں کے کندھوں کو ہارا سے
 کرسمہ تشریف لائے وفات کے تیس دن پہلے جب آپ نے اٹھنے
 کا قصد کیا تو غشی طاری ہوئی اور یہی حالت تین دفعہ پیش آئی،
 اس وقت نماز باجماعت ترک ہوئی

یہ تھا خدا کی عبادت گزار اور یاد کا عملی نمونہ،

آپ نے روزہ کا حکم دیا، عام مسلمانوں پر سال میں تیس دن
 کے روزے فرض ہیں، مگر خود آپ کی کثرت کیا تھی، کوئی ہفتہ کوئی بیس

روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا، حضرت عائشہ کہتی ہیں جب آپ روزے

رکھتے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہ کریں گے آپ نے

مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزہ رکھنے کی ممانعت نہ کی،

مگر خود آپ کا یہ حال تھا، کبھی دو دو تین تین دن بیچ میں کچھ کھائے

پے بغیر متصل روزہ رکھتے تھے، اور اس عرصہ میں ایک دانہ بھی منہ میں

نہیں جاتا تھا صحابہؓ اس کی تقلید کرنا چاہتے، تو فرماتے تمہیں سے

کون سا میری مانند ہے مجھ کو تو میرا آقا کھلتا پلاتا ہے، ہرینہ کے ایام

بیض (۱۳ - ۱۴ - ۱۵) میں اکثر روزے رکھتے محرم کے دس دن اور شوال

کے ۱۱ دن روزوں میں گذرتے، ہفتہ میں دو شنبہ اور جمعرات کا دن روزوں

میں بسر ہوتا

یہ تھا روزوں کے متعلق آپ کا عملی نقشہ زندگی،

آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا تو پہلے خود اس پر عمل کر کے

دکھایا، حضرت عمرؓ کی شہادت تمہیں چکے ہو کہ انہوں نے کہا رو

یا رسول اللہ! آپ قرض داروں کا قرض ادا کرتے ہیں، غریبوں اور
 مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔ گو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب کچھ
 چھوڑ کر میرے پیسے آؤ، نہ گھر بار لٹا دینے کا حکم فرمایا، نہ آسمان
 کی بادشاہت کا دروازہ دو ہاتھ پر بند کیا بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ
 اپنی کمائی میں سے کچھ دوسروں کو دے کر خدا کا حق بھی ادا کرو
 وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ، مگر خود آپ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ
 میں خرچ ہو گیا، غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی
 نہ تھی، مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا، اپنے لئے کچھ نہ تھا۔ وہی فقر
 وفاقہ تھا، فتح خیبر کے بعد یعنی سٹھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ
 کے لئے تمام ازواج مطہرات کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا، کیونکہ غلہ کا بڑا
 حصہ اہل حاجت کے تر کر دیا جاتا تھا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں
 کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور سب سے زیادہ سخاوت آپ
 رمضان المبارک میں فرماتے تھے، تمام عمر کسی سوال کے جواب میں نہیں
 کا لفظ نہیں دیا، کبھی کوئی چیز تنہا نہیں کھاتے تھے۔ کبھی ہی تھوڑی
 چیز ہوتی مگر آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے لوگوں
 عام حکم دیا تھا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اس کی اطلاع مجھے دو کہ میں
 اس کا قرض ادا کروں گا اور اس نے ترک چھوڑا ہو تو اس کے حقدار
 اس کے وارث ہوں گے۔ ایک دفعہ ایک بدو نے آکر کہا، اے محمدؐ
 یہ مال نہ تیرا ہے، اور نہ تیرے باپ کا ہے میرے اونٹ کو لادو
 آپ نے اس کے اونٹ کو جو اور کمجوروں سے لدا دیا اور اس کے
 کہنے کو برا نہ فرمایا، خود فرمایا کرتے انا انا قاسم و خازن واللہ يعطی۔

میں تو بائٹنے والے اور خزانچی کی حیثیت رکھتا ہوں اصل دینے والا تو خدا ہے، حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رات کو میں آپ کے ساتھ ایک راستے سے گزر رہا تھا، راہ میں آپ نے فرمایا۔ ابو ذر! اگر اُحد کا یہ پہاڑ میرے لیے سونا ہو جائے تو میں کبھی پسند نہ کروں گا، کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں ایک دینار بھی میرے پاس رہ جائے، البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لیے کچھ رکھ چھوڑوں۔“

دوستو! یہ محمد رسول اللہؐ کے صرف خوش نما الفاظ نہ تھے بلکہ یہ آپ

کے عزم صادق کا اظہار تھا، اور اسی پر آپ کا عمل تھا: عمری سے ایک دفعہ خراج کا لدا ہوا حسنہ نہ آیا، فرمایا کہ صحن مسجد میں ڈال دیا جائے صبح کی نماز کے لیے آپ تشریف لائے تو دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آپ نے خزانہ کے انبار کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا نماز کے بعد ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، جب سب ختم ہو گیا تو داسن جھاڑ کر اس طرح کھڑے ہو گئے کہ یہ گویا کوئی غبار تھا جو داسن مبارک پر پڑ گیا تھا۔ ایک دفعہ فدک سے چار اونٹوں پر غلہ لاد کر آیا، کچھ قرض تھا وہ ادا کیا گیا، کچھ لوگوں کو دیا گیا، حضرت بلال سے دریافت کیا کہ بیچ تو نہیں رہا، عرض کی اب کوئی لینے والا نہیں اس لیے کچھ بیچ رہا ہے فرمایا جب تک دنیا کا یہ مال باقی ہے میں گھر نہیں جاسکتا چنانچہ رات مسجد میں بسر کی، صبح کو حضرت بلالؓ نے اکر بشارت دی کہ ”یا رسول اللہ خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا، یعنی جو کچھ تھا وہ تقسیم ہو گیا آپ نے خدا کا شکر ادا کیا، ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد خلاف معمول فوراً اندر تشریف لے گئے اور پھر باہر آگئے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا،

بچکوناز میں یاد آیا کہ سونے کا چھوٹا سا ٹکڑا گھر میں پڑا رہ گیا ہے خیال
 ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ رات آجائے اور کھڑکے گھر میں پڑا رہ جائے،
 ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ در ایک دفعہ آپ بلول اور رنجیدہ اندر تشریف
 لاتے ہیں نے سبب دریافت کیا فرمایا ام سلمہؓ اکل جو سات دینار آئے
 تھے، شام ہو گئی اور بستر پر پڑے رہ گئے اس سے بڑھ کر یہ ہے
 کہ آپ مرض الموت میں ہیں، بیماری کی سخت تکلیف ہے نہایت ہی
 بے چینی ہے لیکن اس وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی
 ہیں حکم ہوتا ہے کہ انہیں خیرات کر دو کیا تھوڑا اپنے رب سے اس طرح
 ملے گا کہ اس کے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں،

یہی تھی اس باب میں آپ کی زندگی کی عملی مثال،

آپ نے زبردقناعت کی تعلیم دی، لیکن اس راہ میں آپ کا طرز
 عمل کیا تھا سن چکے ہیں کہ عرب کے گوشہ گوشہ سے جزیہ، خراج و عشر اور
 زکوٰۃ و صدقات کے خزانے لے چلے آتے تھے، مگر امیر عرب کے گھر میں
 وہی فقر تھا، اور وہی فاقہ تھا، آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ
 کہا کرتی تھیں کہ حضور اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر دو وقت بھی سیر ہو کہ
 آپ کو کھانا نصیب نہ ہوا، وہی بیان کرتی ہیں کہ جب آپ نے وفات
 پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لیے تھوڑے سے جو کے سوا
 کچھ موجود نہ تھا، اور چند سیر جو کے بدلہ میں آپ کی زرہ ایک بیوی
 کے ہاں کے رہن تھی، آپ فرمایا کرتے تھے کہ فرزند آدم کو ان چند
 چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا حق نہیں، رہنے کو ایک جھونپڑا، تن
 دھانکنے کو ایک کپڑا پیٹ بھرنے کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی (ترمذی)

یہ محض الفاظ کی خوش نمائندش نہ تھی، بلکہ آپ کی طرز زندگی کا عملی نقشہ تھا، رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا، جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے بالوں کی چھت تھی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، آپ کا کپڑا کر کے نہیں رکھا جاتا تھا، یعنی جو بدن مبارک پر کپڑا ہوتا تھا، اس کے سوا کوئی اور کپڑا ہی نہیں ہوتا تھا جو تہ کیا جاتا، ایک دفعہ ایک سال خدمت اقدس میں آیا اور بیان کیا کہ سخت بھوکا ہوں، آپ نے ازلہ مطہراتؓ کے پاس کہلا بھیجا، کہ کچھ کھانے کو ہو تو بھیج دیں، ہر جگہ سے یہی جواب آیا کہ "گھریں پانی کے سوا کچھ نہیں ہے" ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہیں اور بھوک کی تکلیف سے کروٹیں بدل رہے ہیں، ایک دفعہ صحابہؓ نے آپ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک پتھر بندھا ہے، آپ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کاج بھائے دو پتھر بندھے تھے یعنی دو دن سے فاقہ تھا اکثر بھوک کا وجہ سے آواز میں کمزوری اور نفاہت آجاتی تھی، ایک دن دولت خانہ سے نکلے تو بھوک کے تھے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر لے گئے، وہ نخلستان سے کھجور توڑ لائے، اور کھانے کا سامان کیا، کھانا جب سامنے آیا تو آپ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہ کو بھجوا دو، کئی روز سے اس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے

آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ اور حضرت حسنین علیہم السلام

سے بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت امیر عرب نے ہمیشہ قیمت گپٹروں اور سونے چاندی کے زیوروں کے ذریعہ سے ظاہر نہیں فرمائی ایک دفعہ حضرت علی کا دریا ہوا ایک سونے کا ہار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں دیکھا تو فرمایا، اے فاطمہ! کیا لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ محمدؐ کی بیٹی گلے میں آگ کا طوق ڈالے ہے، حضرت فاطمہؓ نے اسی وقت وہ طوق اتار کر پیچ ڈالا اور اس کی قیمت سے ایک غلام آزاد کیا اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سونے کے کنگن پہنے تو اتراوا دیئے، کہ محمدؐ کی بیوی کو یہ ذیبا نہیں، فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے لئے دنیا میں اتنا ہی کافی ہے، جس قدر ایک مسافر کو زور راہ! یہ قول تھا اور عمل یہ تھا کہ ایک دفعہ کچھ جاشارٹنے آئے تو دیکھا کہ پہلو میں چٹائی کے نشان پڑ گئے ہیں، عرض کی یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک نرم گدا بنا کر حاضر کرنا چاہتے ہیں فرمایا مجھ کو دنیا سے کیا عرض، مجھ کو دنیا سے اسی قدر تعلق ہے، جس قدر اس سوار کو جو راستہ چلتے تھوڑی دیر کے لئے کہیں سا یہ میں آرام کرتا ہے، اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے سہ ماہ میں جب اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی، آپ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی، جسم مبارک پر ایک تہبند، ایک کھڑی چار پائی، سربانے ایک تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی، ایک طرف تھوڑے سے جو، ایک کونے میں ایک جانور کی کھال، کھونٹی میں پانی کے مشکیزے،

یہ تھانہ ہر وقت ناعت کی تعلیم کے ساتھ اس پر آپ کا عمل،
دوستو! ایشاکا وعظ کئے والوں کو تم نے بہت دیکھا ہوگا مگر

کیا کسی ایثار کے وعظ کہنے والے کے صحیفہ سیرت میں اس کی مثال بھی دیکھی ہے، اس کی مثال مدینہ کی گلیوں میں ملے گی، آپ نے لوگوں کو ایثار کی تعلیم دی تو ساتھ ہی ان کے سامنے اپنا نمونہ بھی پیش کیا، حضرت فاطمہؓ سے آپ کو جو بیت تھی وہ ظاہر ہے، مگر ابھی حضرت فاطمہؓ کا عسرت اور تنگدستی کا یہ عالم تھا، کہ چکی پیتے پیتے پتیلیاں گھس گئی تھیں اور مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے سینہ پر نیل کے داغ پڑ گئے تھے، ایک دن انہوں نے حاضر ہو کر، پد ر بزرگوار سے ایک خادمہ کی خواہش ظاہر کی، ارشاد ہوا: "اے فاطمہؓ، اب تک صف کے غریبوں کا انتظام نہیں ہوا ہے، تو تمہاری درخواست کیونکر قبول ہو ایک دفعہ آپ کے پاس چادر نہ تھی، ایک صحابی نے لاکر پیش کی، اسی وقت ایک صاحب نے کہا کیسی اچھی چادر ہے، آپ نے فوراً اتار کر ان کے ہند کر دی ایک صحابیؓ کے گھر کوئی تقریب تھی مگر کوئی سامان نہ تھا، ان سے کہا عائشہؓ کے پاس جا کر آٹے کی ٹوکری مانگ لاسو، وہ گئے اور جا کر آئے، حالانکہ آپ کے گھر میں اس آٹے کے سوا رات کے کھانے کو کچھ نہ تھا، ایک دن صف کے غریبوں کو لے کر حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے اور فرمایا جو کچھ کھانے کو ہو لاقہ حویلی کا پکا ہوا کھانا حاضر کیا گیا وہ کافی نہ تھا، کوئی اور چیز طلب کی، تو چھوڑا رے کا حیرہ پیش ہوا پھر پیار میں دودھ آیا مگر یہی سامانِ سہانی کی آخری قسط گھر میں تھی،

یہ تھا ایثار اور اس پر عمل،

خدا پر اعتماد، توکل اور بھروسہ کی شان دیکھنا ہو تو محمد رسول

اللہ میں دیکھو حکم تھا کہ **وَاصْبِرْ كَمَا صَبَدْنَا نُؤَالْعَزِيمِ مِنَ الْوَسِيلِ** جس طرح اولعزم پیغمبروں نے مرد استعلاں دکھایا تو بھی دکھا، آپ نے وہی کر کے دکھایا، آپ ایک ایسی جاہل اور ان پڑھ قوم میں پیدا ہوئے تھے، جو اپنے معتقدات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی، اور اس لیے سرنے مارنے پر تیار ہو جاتی تھی، مگر آپ نے اس کی کبھی پروا نہ کی عین حرم میں جا کر توحید کی آواز بلند کرتے تھے، اور وہاں سب کے

سامنے نماز ادا کرتے تھے، حرم محترم کا صحن قریش کے رئیسوں کی نشست گاہ تھا، آپ ان کے سامنے کھڑے ہو کر رکوع و سجود کرتے تھے، جب یہ آیت **قَاصِدًا بِهَا تُؤْمَرُونَ** اسے محمد جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس کو علی الاعلان سنا دو، نازل ہوئی، تو آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر تمام قریش کو پکارا، اور خدائے برحق کا حکم پہنچایا،

قریش نے آپ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، کس کس طرح اذیتیں نہیں

پہنچائیں، جسم مبارک پر صحن حرم کے اندر نجاست ڈالی، گلے میں چادر ڈال کر بھانسی دینے کی کوشش کی راستہ میں کانٹے بچھائے، مگر آپ کے قدم کو راہ حق سے لغزش نہ ہوئی تھی نہ ہوئی ابو طالب نے جب حمایت سے ہاتھ اٹھا لینے کا اشارہ کیا تو آپ نے کس جوش اور ولولہ سے فرمایا کہ **”پچھا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور**

بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھ دیں تب بھی اس فرض سے باز نہ آوں گا“ آخر آپ کو نبی مہشم کے پہاڑی درہ میں تین سال تک قید رکھا گیا، آپ کا اور آپ کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا اندر غلہ جانے کی روک تھام کی گئی، بچے بھوک سے بلباتے تھے، جو ان درخت

کے پتے کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے، آخر آپ کے قتل کی سازش ہوئی، یہ سب کچھ ہوا، مگر صبر و استقلال کا سررشتہ آپ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں کفار آپ کا پیچھا کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں، بے یار و مددگار تھے محمد صلعم اور مسلح قریش کے درمیان چند گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، ابو بکر گھبرا اٹھتے ہیں، کہ یا رسول اللہ ہم دو ہیں، لیکن ایک تسکیں سے بھری ہوئی آواز آتی ہے ابو بکرؓ ہم دو نہیں تین ہیں لَا تَحْزُنُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا، گھبراؤ نہیں ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے اسی ہجرت کے زمانہ میں اثنائے راہ میں آنحضرت صلعم کی گرفتاری کے لئے سراقہ بن جحشم تیز ہاتھ میں لے گھوڑا دوڑاتا ہوا آپ کے پاس پہنچ جاتا ہے حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں، یا رسول اللہ! ہم پکڑ لئے گئے، مگر وہاں محمد رسول اللہ کے لب بدستور قرآن خوانی میں مصروف ہیں، اور دل کی سکنت کا وہی عالم ہے

مدینہ پہنچ کر یہود کا منافقین کا اور قریش کے غارت گروں کا ڈر تھا لوگ آنحضرت صلعم کے مسکن کا راتوں کو پہرا دیتے تھے، کہ ایک دفعہ یہ آیت نازل ہوئی وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ، یعنی خدا تمہارے لوگوں سے بچائے گا، اسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر بہرے کے سپاہیوں سے فرمایا، لوگو واپس جاؤ مجھے چھوڑ دو کہ میری حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لے لی ہے

غزوہ نجد سے واپسی میں آپ ایک درخت کے نیچے آرام فرماتے ہیں، صحابہ ادھر ادھر ہٹ گئے ہیں، ایک تلوار کھینچ کر سامنے آئی ہے

آپ بیدار ہوتے ہیں ، موقع کی نزاکت کو دیکھو ، بدو پوچھتا ہے
بتاؤ اسے محمدؐ! اب کون تم کو میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے ، اطمینان
اور تسکین سے بھری ہوئی آواز آتی ہے ، کہ اللہ! اس پُراثر جواب
سے دشمن متاثر ہو جاتا ہے ، اور تلوار نیام میں پہنچ جاتی ہے ،

پدر کا سرکہ ہے تین سو نیتے مسلمان ایک ہزار لوہے ہیں غرق
قریشی شکر سے نبرد آزما ہیں ، مگر ان تین سو سپاہیوں کا سپہ سالار
خود کہاں ہے ؟ سرکہ کارزار سے الگ خدا کی بارگاہ میں دست بدعا
ہے ، کبھی پیشانی زمین پر ہوتی ہے ، اور کبھی ہاتھ آسمان کی جانب
اٹھتے ہیں ، کہ خدا دندا ! اگر آج یہ چھوٹی سی جماعت صفحہ عالم سے مٹ
گئی تو پھر کوئی تیرا پرستار اس دنیا میں باقی نہ رہے گا

ایسے موقعے بھی آئے ہیں کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور
پہچھے ہٹ گئے مگر خدا کی نصرت اور مدد پر اعتماد تھا اور کامل بھروسہ
رکھنے والا پہاڑ کی طرح اپنی جگہ قائم رہا ، آٹھ میں اکثر مسلمانوں کے
قدم اکھڑ گئے مگر محمد رسول اللہ اپنی جگہ پر قائم رہا ، تیروں تلواروں اور
تیروں کے حملے ہو رہے تھے ، خود کی کٹریاں سر مبارک میں دھنسن گئیں
تھیں ، دندان مبارک شہید ہو چکا تھا ، چہرہ اقدس زخمی ہو رہا تھا مگر
اس وقت بھی اپنا ہاتھ لوہے کی تلوار پر نہیں رکھا ، بلکہ غلبہ کی نصرت
پر بھروسہ اور اعتماد رہا ، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا پورا
تھا ، عین کے میدان میں ایک دفعہ دس ہزار تیروں کا جب سینہ برسا
تو تھوڑی دیر کے لئے مسلمان پیچھے ہٹ گئے ، مگر ذات اقدس اپنی
جگہ پر تھی ، ادھر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی ، اور ادھر سے

انا للہی لا کذب - انا ابی عبدالمطلب - میں پیغمبر ہوں
 جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، کانعرہ بلند تھا،
 سواری سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں خدا کا بندہ اور پیغمبر

ہوں اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے،

عزیز و ہمتیں کی اور ایسے سپر سالاد کا حال بھی معلوم ہے جس کی بہادری
 اور استقلال کا یہ عالم ہو کہ فوج کتنی ہی کم ہو کتنی ہی غیر مسلح ہو اور
 اس کو چھوڑ کر پیچھے بھی کیوں نہ ہٹ گئی ہو، مگر وہ نہ تو اپنی جان
 کے بچانے کے لئے بھاگتا ہے اور نہ اپنی حفاظت کے لئے بھاگتا ہے اور نہ
 اپنی حفاظت کے لئے تلوار اٹھاتا ہے بلکہ ہر حال میں زمین کی طاقتوں میں سے مسلح
 ہو کر آسمان کی طاقتوں سے مسلح ہونے کی درخواست کرتا ہے۔

یہ تھی اس راہ میں آپ کی عملی مثال!

تم نے دشمنوں کو پیار کرنے کا وعظ سنا ہو گا، لیکن اس کی
 عملی مثال ہمیں دیکھی ہوگی آؤ مدینہ کی سرکار میں میں تم کو دکھاؤں
 مکہ کے حالات چھوڑتا ہوں، کہ میرے نزدیک محکومی، بیگسی اور معذوری
 عفو و درگزر اور رمم کے ہم معنی نہیں ہے، ہجرت کے وقت قریش
 کے رئیس یہ اشتہار دیتے ہیں جو محمد کا سر قلم کر لائے اس کو سوتا
 اونٹ انعام دیتے جائیں گے، سراقہ بن جشم اس انعام کے لالچ
 میں مسلح ہو کر آپ کے تعاقب میں گھوڑا ڈالتا ہے، قریب پہنچ
 جاتا ہے، حضرت ابوبکرؓ گھبرا جاتے ہیں، حضور دعا کرتے ہیں تین ڈنڈ
 گھوڑے کے پاؤں دھنس جاتے ہیں، سراقہ تیر کے پانے نکال کر

قال دیکھتا ہے، ہر دفعہ جواب آتا ہے کہ ان کا بیچارہ کرو، نفسی، یعنی سائیکو لاجیکل حیثیت سے سراقہ مرعوب ہو چکتا ہے، واپسی کا عزم کر لیتا ہے، حضور کو آواز دیتا ہے، اور حفظ و امان کی درخواست کرتا ہے، کہ جب حضور کو خدا قریش پر غالب کرے تو مجھ سے باز پرس نہ ہو، آپ یہ امان نامہ لکھوا کر اس کے حوالہ کرتے ہیں، فتح مکہ کے بعد وہ اسلام لاتا ہے، تاہم آپ اس سے یہ نہیں پوچھتے کہ سراقہ تمہارے اس دن کے جرم کی اپ کیا سزا ہو

ابوسفیان کون ہے، وہ جو بدر، احد، خندق وغیرہ لڑائیوں کا سرغنہ تھا جس نے کتنے مسلمانوں کو تیغ کرایا، جس نے کتنی دفعہ خود حضور سرور عالم کے قتل کا فیصلہ کیا جو ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا لیکن فتح مکہ سے پہلے جب حضرت عباس کے ساتھ آپ کے سامنے آتا ہے، تو گو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے مگر رحمت عالم کا عفو عام ابوسفیان سے کہتا ہے کہ ڈر کا مقام نہیں، محمد رسول اللہ انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں، پھر حضور نہ صرف اس کو معاف فرماتے ہیں، بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں

من دخل دار ابی سفیان کان اصنا۔ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے

ہند ابوسفیان کی بیوی، وہ ہند جو احد کے معرکہ میں اپنی سپاہیوں کے ساتھ گاگا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی ہے، وہ جو حضور کے سب سے محبوب چچا اور اسلام کے ہیرو حضرت حمزہ کی لاش کے ساتھ بے ادبی کرتی ہے ان کے کان ناک کاٹ کر ہار بٹاتی ہے،

بکلیجہ کو نکال کر جیانا چاہتی ہے ، لڑائی کے بعد اس منظر کو دیکھ کر آپ بیتاب ہو جاتے ہیں ، وہ فتح مکہ کے نقاب پوش سامنے آتی ہے ، اور یہاں بھی گستاخی سے باز نہیں آئی لیکن حضور پھر بھی کچھ تعرض نہیں فرماتے ہیں اور یہ بھی نہیں پوچھتے کہ تم نے کیوں کیا ، غور عام کی اس مجرا میں مثال کو دیکھ کر وہ ہلاکتی ہے ، اسے محمد! آج سے پہلے تمہارے خیمے سے زیادہ کسی خیمے میں نفرت نہ تھی لیکن آج تمہارے خیمے سے زیادہ کسی کاڑھے محبوب نہیں ہے وحشی حضرت حمزہؓ کا قاتل ، فتح طائف کے بعد بھاگ کر کہیں چلا جاتا ہے ، اور جب وہ مقام بھی فتح ہوا ہے تو کوئی دوسری جائے پناہ نہیں ملتی ، لوگ کہتے ہیں ، وہ تم نے ابھی محمد کو پہنچانا نہیں ، تمہارے لئے خود محمدؐ کے آستانے بڑھ کر کوئی دوسری جائے امن نہیں ہے ، وحشی حاضر ہو جاتا ہے ، حضور دیکھتے ہیں آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں ، پیارے چچا کی شہادت کا منظر سامنے آجاتا ہے ، آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں ، قاتل سامنے موجود ہے ، مگر صرف یہ ارشاد ہوتا ہے ، وحشی جاؤ میرا سامنے نہ آیا کرو ، کہ شہید چچا کی یاد تازہ ہو جاتی ہے

عکرمہ ، اسلام ، مسلمانوں اور محمد رسول اللہ صلعم کے سب سے بڑے دشمن یعنی ابوجہل کے بیٹے تھے ، جس نے آپ کو سب سے زیادہ تلبیسیں پہنچائیں وہ خود بھی اسلام کے خان لڑائیاں لڑ چکے تھے کہ جب فتح ہوا تو ان کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے ، وہ بھاگ کر یمن چلے گئے ، ان کی بیوی مسلمان ہو چکی تھیں ، اور محمد رسول اللہ

کو پہچان چکی تھیں، وہ خود میں گئیں، مگر ریت کو تسکین دی، اور ان کو لے کر مدینہ آئیں، حضور کو ان کی آمد کی خبر ہوتی ہے تو ان کے خیر مقدم کے لئے اس تیزی سے اٹھتے ہیں کہ جسم مبارک پر چادر تک نہیں رہتی، پھر جوش مسرت میں فرماتے ہیں مرحباً بالراکب المهاجر اسے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک! غور کرو! یہ مبارک باد کس کو دی جا رہی ہے، یہ خوشی کس کے آنے پر ہے، یہ معافی نارکس کو عطا ہو رہی ہے، اس کو جس کے باپ نے آپ کو مکہ میں سب سے زیادہ تکلیفیں پہنچائیں، جس نے آپ کے جسم مبارک پر نجاست ڈلوائی، جس نے محالبت نماز آپ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی جس نے دارالتدوہ میں آپ کے قتل کا مشورہ دیا، جس نے بدر کا معرکہ برپا کیا، اور ہر قسم کی صلح کی تدبیر کو برہم کیا، آج اسی کی جہانی یادگار کی آمد پر یہ مسرت اور شادمانی

بہار بن الاسود وہ شخص ہے جو ایک حیثیت سے حضرت کی صاحبزادی

حضرت زینبؓ کا قاتل ہے، اور کئی شرارتوں کا مرتکب ہو چکا ہے، مکہ کی فتح کے موقع پر اس کا خون حلال کیا جاتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ایران چلا جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر سیدھا در دولت پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے، یا رسول اللہ! میں بھاگ کر ایران چلا جانا چاہتا تھا لیکن پھر مجھے حضور کا رحم و کرم اور حضور و علم یاد آیا، میں حاضر ہوں میرے جراتم کی جو اظہار میں آپ کو ملیں ہیں وہ سب درست ہیں اتنا سنتے ہی آپ کی رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور دوست و دشمن کی تیزاٹھ جاتی ہے،

عمیر بن وہب بدر کے بعد ایک قریشی رئیس کی سازش سے اپنی تلوار گھسیں بھاگ کر مدینہ آتا ہے، اور اس تاک میں رہتا ہے کہ موقع پا کر نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کر دے، کہ ناگاہ وہ گرفتار ہو جاتا ہے، آپ کے پاس لایا جاتا ہے، اس کا گناہ ثابت ہو جاتا ہے، مگر وہ رہا کر دیا جاتا ہے

صفوان بن امیہ یعنی وہ رئیس جس نے عمیر کو آپ کے قتل کے لئے بھیجا تھا، اور جس نے عمیر سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس مہم میں مارے گئے تو تمہارے اہل و عیال اور قرضہ کا میں ذمہ دار ہوں، لیکن تمہارے بعد ڈر کر جدہ بھاگ جاتا ہے کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلا جائے، وہی عمیر خدمت نبوی میں آکر عرض کرتے ہیں، کہ یا رسول اللہ! صفوان اپنے قبیلہ کا رئیس ڈر کی وجہ سے بھاگ گیا ہے کہ اپنے کو سمندر میں ڈال دے ارشاد ہوتا ہے اس کو امان ہے، اگر دوبارہ گذارش کرتے ہیں کہ اس امان کی کوئی نشانی مرحمت ہو کہ اس کو یقین آئے، آپ اپنا عمامہ اٹھا کر دے دیتے ہیں، عمیر نے عمامہ لے کر صفوان کے پاس پہنچتے ہیں، صفوان کہتا ہے: ”مجھے محمد کے پاس جانے میں اپنی جان کا خوف ہے“ اور عمیر جو ذہر میں تلوار بھاگ کر محمد رسول اللہ کو مارنے گئے تھے، صفوان سے کہتے ہیں: ”اے صفوان! ابھی تم کو محمد کے حکم اور عفو کا حال معلوم نہیں ہے، صفوان آستانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم نے مجھے امان دی ہے،

کیا یہ سچی ہے، ارشاد ہوتا ہے سچی ہے، پھر کہتا ہے، لیکن میں تمہارا دین ابھی قبول نہیں کروں گا، مجھے ڈوہینے کی مہلت دو آپ فرماتے ہیں تمہیں ڈوہیں چاکر مہینے کی مہلت ہے لیکن یہ مہلت بھی تم نہیں ہونے پاتی کہ دفعۃً اس کے دل کی کیفیت بدل جاتی ہے، اور مسلمان ہو جاتا ہے

آپ خیر جاتے ہیں جو یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز ہے، لڑائیاں ہوتی ہیں، شہر فتح ہوتا ہے، ایک یہودیہ دعوت کرتی ہے، آپ بلاپس وپیش منظور فرماتے ہیں، یہودیہ جو گوشت پیش کرتی ہے، اس میں زہر ملا ہوتا ہے، آپ گوشت کا ٹکرا منہ میں رکھتے ہیں کہ آپ کو اطلاع ہو جاتی ہے، یہودیہ بلائی جاتی ہے، وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے، لیکن رحمت عالم کے دربار سے اس کوئی سزا نہیں ملتی، حالانکہ اس زہر کا اثر آپ کو اس کے بعد عمر بھر محسوس ہوتا رہتا ہے،

غزوہ نجد کے واپسی کے وقت آپ تمہا ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، دوپہر کا وقت ہے، آپ کی تلوار درخت سے ٹک رہی ہے، صحابہ ادھر ادھر دختوں کے سایہ میں لیٹے ہیں کوئی پاس نہیں ہے، ایک بدو تاک میں رہتا ہے، وہ اس وقت سیدھا، آپ کے پاس آتا ہے، درخت سے آپ کی تلوار اتارتا ہے پھر نیام سے باہر کھینچتا ہے، کہ آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے، وہ تلوار ہلا کر پوچھتا ہے، "محمد! بتاؤ اب کون تم کو مجھ سے بچا سکتا ہے۔"

ایک پڑا طمیان صدا آتی ہے کہ "اللہ!، اس غیر متوقع جواب کی سن کر

وہ مرعوب ہو جاتا ہے، تلوار نیا م میں کر لیتا ہے، صحابہ پر آجاتے ہیں
 بدویٹھ جاتا ہے اور آپ اس سے کوئی تعرض نہیں فرماتے ہیں
 ایک دفعہ ایک کافر گرفتار ہو کر آتا ہے، کہ یہ قتل کے
 لیے آپ کی گھات میں تھا وہ سامنے پہنچتا ہے تو آپ کو دیکھ کر
 ڈر جاتا ہے، آپ اس کو تسلی دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم
 قتل کرنا چاہتے بھی تب بھی نہیں کر سکتے تھے انزوہ مکہ میں اتنی
 آدمیوں کا دستہ گرفتار ہوا، جو جیل تنعیم سے آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا
 آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا ان کو چھوڑ دو،
 دوستوں طائف کو جانتے ہو، وہ طائف میں نے مکہ کے عہد میں
 آپ کو پناہ نہیں دی، جس نے آپ کی بات بھی سننی نہیں چاہی،
 جہاں کے رئیس جدیایل کے خاندان نے آپ سے استہزاء کیا،
 بازاروں سے اشارہ کیا کہ آپ کی ہنسی اڑائیں شہر کے اوباش
 ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، اور دورد پڑے ہو گئے اور جب
 آپ بیچ سے گزرے تو دونوں طرف سے ہنر برسائے، یہاں تک
 کہ پائے سیارک زخمی ہو گئے، دونوں بونیاں خون سے بھر گئیں
 جب آپ تھک کر بیٹھ جاتے تو یہ شریر آپ کا بازو پکڑ کر اٹھا دیتے
 جب آپ چلنے لگتے تو پھر پھر برسائے انکرت صلعم کو اس دن
 اس قدر تکلیف پہنچی تھی کہ نو برس کے بدب حضرت عائشہ نے
 ایک دن دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! تم ٹریں آپ پر سب سے
 زیادہ سخت دن کون آیا، تو آپ نے اسی طائف کا حوالہ دیا تھا،

سلسلہ میں مسلمانوں کی فوج اسی طائف کا محاصرہ کرتی ہے، ایک مدت تک محاصرہ جاری رہتا ہے، قلعہ نہیں قلعہ ہو تا، بہت سے مسلمان شہید ہوتے ہیں، آپ واپسی کا ارادہ کرتے ہیں، پر جوش مسلمان نہیں مانتے، طائف پر بدعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں آپ ہاتھ اٹھاتے ہیں، مگر کیا فرماتے ہیں، خداوند! طائف کو ہدایت کرو اور اسلام کے آستانہ پر جھکا دو ستو! یہ کس شہر کے حق میں دعائے خیر ہے، وہی شہر جس نے آپ پر پتھر برسائے تھے آپ کو زخمی کیا تھا، اور آپ کو پتہ دینے سے انکار کیا تھا،

اُمد کے غزوہ میں دشمن حملہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں آپ نزعہ اعداء میں ہوتے ہیں آپ پر پتھر، تیر اور ہموار کے دار ہو رہے ہیں دندان مبارک شہید ہو جاتا ہے خود کی ٹریاں سر مبارک میں گڑ جاتی ہیں چہر مبارک خون سے رنگین ہوتا ہے، اس حالت میں بھی آپ کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں، وہ قوم کیسے نجات پائے گی، جو اپنے پیغمبر کے قتل کے درپے ہے۔ خداوند! میری قوم کو ہدایت کر کہ وہ جانتی نہیں، یہ سے، تو اپنے دشمن کو پیار کر کے زیتونی و عظیمی عمل! جو صرف شاعرانہ فقرہ نہیں بلکہ عمل کا خطرناک نمونہ ہے

وہی ابن عبید یا لیل جس کے خاندان نے طائف میں آپ کے ساتھ یہ مظالم کئے تھے، جب طائف کا وفد لے کر مدینہ آتا ہے تو آنحضرت صلعم اس کو اپنی مقدس مسجد میں خیمہ گاڑ کر اتارتے ہیں ہر روز

نماز عشا کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے ہیں ، اور لہنی رنج بھری کہ
کی داستان سناتے ہیں! کس کو اس کو جس نے آپ پر پتھر برسائے
اور آپ کو ذلیل کیا تھا یہ تھے تو اپنے دشمن کو پیار کر اور معاف کر۔
مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں ، کس حرم کے صحن میں جہاں آپ
کو گالیاں دی گئیں ، آپ پر نجاستیں پھینکی گئیں ، آپ کے قتل کرنے کی کوشش
منظور ہوئی قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے ، ان میں وہ بھی ہیں
جو اسلام کے سنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے وہ بھی آپ کو جھٹلا
کرتے تھے ، وہ بھی تھے جو آپ کی بھوس کہا کرتے تھے ، وہ بھی تھے جو آپ
کو گالیاں دیا کرتے تھے وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسی کے ساتھ گستاخ
کا حوصلہ رکھتے تھے ، وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے آپ کے
راستہ میں کانٹے پھائے تھے ، آپ پر تلواریں چلائی تھیں وہ بھی رہے
جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا خون ناحق کیا تھا ، ان کے سینے جاگ
کیے تھے اور ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کتے تھے وہ بھی تھے جو غریب
اور بیگس مسلمانوں کو ستاتے تھے ، ان کے سینوں پر اپنی جنا کاری کی آٹی
مہر سی لگاتے تھے ، ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے دھکتے کونکوں سے
ان کے جسم کو داغتے تھے ، تیزوں کی انی سے ان کے بدن چھیدتے تھے
آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں
محمد رسول اللہ کے ایک اشارہ کی منتظر تھیں ، دفعۃً زبان مبارک کھلتی ہے
سوال ہوتا ہے ، قریش! بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں
جواب ملتا ہے ، محمد تو ہمارا شریف بھائی ، اور شریف بھتیجا ہے ، ارشاد

ہوتا ہے، آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا، کہ لا تشریب علیکم الیوم آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ اِذَا هَبُوا فَاَنْتُمْرُ الْفُلُکَ سَوَّجَا و تم سب آزاد ہو۔ یہ ہے دشمنوں کو پیارا کرنا، اور معاف کرنا، یہ ہے اسلام کے پیغمبر کا عملی نمونہ اور عملی تعلیم، جو صرف خوش یانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں، بلکہ دنیا میں واقعہ اور عمل میں کرنا ہر ہوتی ہے۔ یہی نکتہ ہے، جس کے باعث تمام دوسرے مذہب اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے بیٹھے بیٹھے الفاظ کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں اور بار بار انہی کو دہراتے ہیں، کہ ان کے سوا ان کے پاس کوئی حجت نہیں، ادا اسلام اپنے پیغمبر کے صرف الفاظ نہیں، بلکہ عمل اور سنت کی دعوت دیتا ہے، محمد رسول صلعم نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا

تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَاسْتَعِينْ
میں تم میں دو مرکز ثقل چھوڑ جاتا ہوں
خدا کی کتاب اور عملی راستہ

یہی دونوں مرکز ثقل اب تک قائم ہیں اور تاقیامت قائم رہیں گے
اسی لئے اسلام کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ اپنے پیغمبر کی سنت کی پیروی کی بھی دعوت دیتا ہے

لَقَدْ نَأَى الْكُفْرُ فِي رَسُولِ اللَّهِ (جو گو تمہارے لئے خدا کے رسول کی
اَسْوَأُ حَسَنَةً
زندگی میں بہتر پیروی ہے

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ، نمونہ، اور پیکر بنا
کر پیش کرتا ہے تمام دنیا میں یہ فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے

کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ ساتھ اپنے عمل اور اپنی مثال کو پیش کرتا ہے، طریقہ نماز کے ناواقف سے کہتا ہے صَلُّوا كَمَا دَرَأَيْتُمُونِیْ تم اس طرح خدا کی نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو

بیوی بچوں کے ساتھ نسکی اور بھلائی کی تعلیم ان الفاظ میں دیتا ہے خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لَا هِدَىٰ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لَا هِدَىٰ تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے

جو اپنے بیوی بچوں کے لئے سب سے اچھا ہے اور میں اپنے بیوی بچوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں، آخری حج کا موقع ہے شہسوع نبوت کے گرو ایک لاکھ پرتانوں کا ہجوم ہے۔ انسانوں کو خدا کا آخری پیغام سنایا جا رہا ہے، عرب کے باطل رسوم اور نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سلسلہ آج توڑا جا رہا ہے، مگر تعلیم کے ساتھ ساتھ دیکھو کہ اپنی ذاتی نظیر اور عملی مثال ہی ہر قدم پر پیش کی جا رہی ہے، فرمایا

آج عرب کے تمام انتقامی خون باطل کر دیے گئے، یعنی تم سب

ایک دوسرے کے قاتلوں کو معاف کرو، اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون اپنے بھتیجے ربیعہ بن عارض کے بیٹے کا خون معاف کرتا ہوں " جاہلیت کے تمام سودی لین دین اور کاروبار آج باطل کیے جاتے

ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سودی سودا توڑتا ہوں

جان اور مال کے بعد تیسری چیز آبرو ہے، وہ غلط اور قابل اصلاح رسوم و رواج جن کا تعلق لوگوں کی عزت اور آبرو سے ہوتا ہے ان کو سب سے پہلے عملاً مٹانے کی ہمت گویا بظاہر اپنی بے عزتی اور بے آبروئی کے ہم معنی ہے۔ اسی لئے ملک کے بڑے بڑے مصلحین کے پاؤں بھی

کسی ملکی رسم و رواج کی عملی اصلاح کی جرأت مشکل سے کرتے ہیں، ہمدرد علم نے
 بوگوں کو مساوات کی تعلیم دی۔ عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے
 جاتے تھے، آپ نے مساوات، اخوت انسانی اور جنس انسانی کی برابری
 کی عملی مثال پیش کی کہ ایک غلام کو اپنا فرزند متبنی بنایا۔ عرب میں قبائل کی
 باہمی شرافت کی زیادتی و کمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی لپٹے سے
 کم رتبہ پر تلوار چلانا آسبھا جاتا تھا کہ ذلیل خون اس کی شریف تلوار کو ناپاک
 نہ کر دے۔ لیکن جب آپ نے یہ اعلان کیا کہ ”اے لوگو! تم سب آدم کے
 بیٹے ہو۔ اور آدم مٹی سے بنا تھا۔ کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر
 عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، تم میں افضل وہ ہے
 جو اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ پرہیزگار ہے“ تو اس تعلیم نے
 وقعتہ بلند و پست، بالا و زیر، اعلیٰ و ادنیٰ، اقا و غلام سب کو ایک سطح پر
 لاکھڑا کر دیا، لیکن ضرورت تھی، عملی مثالوں کی یہ مثال خود آپ نے ہمیشہ کی
 اپنی پھوپھی زاد بہن کو جو قریش کے شریف خاندان سے تھیں، اپنے غلام سے بیابا
 منہ بولے بیٹے کا قاعدہ جب اسلام میں توڑا گیا، تو سب سے پہلے زید بن حذافہ
 زید بن حارثہ کہلائے۔ منہ بولے بیٹے کی مطلق بیوی سے نکاح کرنا عرب میں
 ناجائز تھا، مگر چونکہ یہ محض ایک لفظی رشتہ تھا، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق
 نہ تھا اور اس رسم سے بہت سی خاندانی رقابتوں اور غمراہیوں کی بنیاد عربوں میں قائم
 ہو گئی تھی، اس لیے اس کا توڑنا ضرور تھا، لیکن اس کے توڑنے کے لیے عملی مثال
 پیش کرنا، انسان کی سب سے عزیز چیز آبرو سے تعلق رکھتا تھا، جو سب سے مشکل کام
 تھا، پیغمبر عرب نے آگے بڑھ کر خود اس کی مثال پیش کی اور زید بن حارثہ کی مطلق بیوی حذافہ
 زینب سے شادی کر لی، جب ہی سے یہ رسم عرب سے ہمیشہ کے لیے مٹ گئی اور

بقی کی بیہودہ رسم سے ملک نے نجات پائی،

واقعات کی اتہا نہیں ہے مثالوں کی کمی نہیں ہے، مگر وقت محدود ہے

اور آج میں نے شاید سب سے زیادہ آپ کا وقت لیا ہے

میرے دوستو! میرے معارفات کی روشنی میں آدم سے لے کر عیسیٰ تک

شام سے کرہندوستان تک، ہر ایک تاریخی انسان کی مسلمانہ زندگی پر ایک نظر

ڈالو، کیا ایسی علی ہدایتوں اور کامثالوں کا کوئی نمونہ کہیں نظر آتا ہے

حاضرین چند لفظ اور!

بعض شیریں بیان واعظانہ پیرایہ میں اپنے "خداوند" کی ربانی محبت

اور الہی عشق کا تذکرہ کرتے ہیں، گہنی کے مقولہ کے مطابق کہ "درخت اپنے پھل سے

پہنپانا جاتا ہے"، اس پاک عشق اہل کا کیا اثر ان کی زندگی میں نمایاں تھا، غرب

کے دعویدار محبت کی سیرت پر حمو انہیں گذرتی ہیں، دنیا سوتی ہے، اور اس کی

آنکھیں جاگتی ہیں، ہاتھ خدا کے آگ بھیلے ہیں، زبان تیرا نہ حمد گارہی ہے، دل پہلو

میں بے تاب تڑپ رہا ہے اور انکوں سے آنسوؤں کے تار جاری ہیں، کیا محبت

کی یہ تصویر ہے یا وہ!

حضرت عیسیٰؑ سولی پر چڑھنے تو بے تابانہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں

اے میرے خداوند! اے میرے خداوند! تو نے مجھ کو کیوں پھوڑ دیا، لیکن

محمد رسول اللہؐ جب موت کے بتر رہتے ہیں، اور زندگی کی آخری سانس لیتے

ہوتے ہیں تو زبان پر یہ کلمہ ہوتا ہے

اے میرے خداوند! اے میرے بہترین ساتھی! ان دونوں فقروں میں سے

کس میں محبت کا فائدہ، عشق کی پاشنی اور ربانی سکینت کا لطف ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ۝

پیغمبر اسلام علیہ السلام کا بیعت نام

حضرات! میں نے پچھلے پچھلے لکچروں میں دلائل اور تاریخ کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ انسانوں کے تمام بلند طبقتوں میں سے صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتیں تقلید اور پیروی کے لائق ہیں، اور ان میں سے عالمگیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی سیرت سے، اس مقام پر جب یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی عالم گیر اور دائمی نمونہ ہیں تو سوال ہوتا ہے کہ ان کی عالمگیر اور دائمی تعلیم کیا ہے؟ وہ دنیا کو کیا پیغام دینے آئے؟ اور کیا پیغام دے کر دنیا سے تشریف لے گئے؟ ان کے پیغام کے وہ کون سے ضروری اجزاء ہیں جن کے ادا کرنے کے لئے اس پیغمبر آخر الزمان کی ضرورت پیش آئی؟ دنیا میں دوسرے پیغمبروں کے ذریعہ سے جو پیغام آئے ان کی کس طرح اس آخری پیغام نے تصحیح اور تکمیل کی؟

ہم کو تسلیم ہے کہ دنیا میں وقتاً فوقتاً انبیا کے ذریعہ سے پیغام آتے رہے مگر جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے اور واقعات کی روشنی میں دکھایا جا چکا ہے وہ تمام پیغام کسی خاص زمانہ اور قوم کے لئے آئے اور وقتی تھے، اور اس لئے ان کی دائمی حفاظت کا سامان نہ ہوا، ان کی اصل برباد ہو گئی، مدتوں کے بعد مرتب کیے گئے اور ان میں تحریفیں کی گئیں، ان کے ترجموں، اٹو کچر سے کچھ بنا ریا، ان کی تاریخی سند کا ثبوت نہیں باقی رہا، بہت سے جعلی پیغام ان میں شریک کئے گئے، اور یہ سب چند سو برس کے اندر ہو گیا اگر خدا کا کام مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا ہے، تو ان کا مٹنا اور برباد ہو جانا ہی ان کے وقتی فرمان اور عارضی تعلیم ہونے کا

ثبوت ہے۔ مگر جو پیغام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا ہاں لیکر اور
ذاتی ہو کر آیا اور اسی لئے وہ جب سے آیا اب تک پوری طرح محفوظ ہے اور
رہے گا، کیونکہ اس کے بعد پھر کوئی نیا پیغام آنے والا نہیں ہے

نے گزشتہ پیغام کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ اس کی تکمیل ہو چکی ہے اور

اس کی حفاظت میں ہوں دنیا کے تمام وہ صحیفے جو گم ہو چکے، ان

کا گم ہو جانا ہی ان کے وقتی اور عارضی ہونے کی دلیل ہے اور جو ہر ادہیں ان کی

ایک ایک آیت تلاش کر لو، ان کی تکمیل اور ان کی حفاظت کے درکے متعلق ایک

حرف نہ پاؤ گے بلکہ اس کے خلاف ان کے نقص کے اشارے اور نہیں ملیں گی

حضرت موسیٰ کہتے ہیں کہ خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں

میں سے میرے ماتم ایک نہی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دہو (استثنا، ۱۸)

(۱۵) میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تمہارا ایک نہی برپا کرے گا اور اپنا

کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا وہ اب ان سے

کہے گا (استثنا، ۱۸-۱۹) یہ بڑی برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے ہونے سے پہلے

بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے پہلے

اور قارآن کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں

شریعت ہوگی (استثنا، ۲۳-۲۴)

ان اوپر کی آیتوں میں تورات یہ صاف بتا رہی ہے کہ ایک اور نبی ہوگا

کے مثل آنے والا ہے جو اپنے ساتھ ایک آتشیں شریعت بھی لائے گا، اور اس

کے منہ میں خدا اپنا کلام بھی ڈالے گا، اس سے بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰ

کا پیغام آخری اور دائمی نہ تھا

اس کے بعد اشعیا، نبی ایک اور رسول کی خوشخبری سننے میں جس کی

شریعت کی راہ دہریائی مالک اور جزیے تک رہے ہیں۔ (باب ۴۰) ملاخیرہ میں ہے دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا۔ نبی اسرائیل کے دیگر صحیفوں اور زبور میں بھی آئیدہ آنے والوں کی بشارتیں ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی اسرائیلی صحیفہ دائمی اور آخری اور مکمل نہیں تھا۔ انجیل کو دیکھو وہ اعلان کرتی ہے

اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا افارقلیط بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔ (یوحنا ۱۴-۱۵)

لیکن وہ افارقلیط روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو کچھ میں نے تمہیں کہی ہیں تمہیں یاد دلانے گا، (یوحنا ۱۴-۲۴)

میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمہیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، کیونکہ وہ اپنی نہ کہے گی بلکہ جو کچھ سنے گی وہ کہے گی۔ (یوحنا ۱۴-۲۶)

ان آیتوں میں انجیل نے صاف اعلان کیا ہے کہ وہ خدا کا آخری کلام نہیں، اور نیز یہ کہ وہ کامل بھی نہیں، ایک اور آئے گا جو مسیح کے پیغام کی تکمیل کہے گا مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اپنے بعد کسی اور آنے والے کا پیغام نہیں دیتا

جو نیا پیغام سناتے گا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام میں کوئی نقص ہے جس کو دور کر کے وہ اس کو کامل کریگا بلکہ وہ اپنی تکمیل کا آپ دعویٰ کرتا ہے

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي، (مائدہ - ۱)

اور تم پر پوری کر دی اپنی نعمت

اور بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء یعنی نبوت کے سلسلہ کو بند کرنے والے

ہیں **وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ** خود قرآن نے کہا ہے اور **الْبَيْتُونَ** (اور میری ذات سے انبیاء ختم کیے گئے) حدیث نے کہا ہے، (م باب المساجد) **اَلَا اَنْبِيَ بَعْدِي** (ہشیار کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) متعدد حدیثوں میں ہے۔ آپ نے فرمایا "میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں، قرآن نے اپنے صیقلی کسی آیت میں کسی بعد میں آنے والے پیغام بانی کیلئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہے اس لئے معلوم ہوا کہ صرف وہی پیغامبر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا آیا، خدا کا آخری اور دائمی پیغام ہے، اور اسی لئے **وَ اِنَّا لَنَكْفِيظُونُكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ** سے خدا نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی ہے

دوستو! اس کے بعد سوال یہ ہے کہ پیغام محمدی کے سوا کوئی اور پیغام الہی بھی عالمگیر ہو کر آیا یا؟ بنی اسرائیل کے نزدیک دہائرت بنی اسرائیل سے عبارت ہے، خدا صرف بنی اسرائیل کا خدا ہے۔ اس لئے اسرائیل کے انبیاء اور صحیفوں کبھی غیر بنی اسرائیل تک خدا کا پیغام نہیں پہنچا، اور اب تک بھی یہودی مذہب اور موسوی شریعت بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ ان صحیفوں میں صرف انہی کو خطا کیا گیا ہے، اور ان کو ان کے خاندانی خدا کی طرف ہمیشہ شفقت کیا گیا ہے حضرت عیسیٰ نے بھی اپنا پیغام بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھٹیروں تک محدود رکھا اور غیر اسرائیلی کو پیغام سنا کر بچوں کی روٹی کتوں کو پھینک دینے کی رہنمائی کے لئے وہ بھی غیر آریوں کے قانون نہیں پہنچ سکتے، کہ ان کے علاوہ تو تمام دنیا مشہور ہے اور وہاں یہ تاکید ہے کہ اگر وید کے شبہ شور کے قانون میں پڑ جائیں تو اس کے قانون میں سید ڈال دیا جائے

پیغام محمدی دنیا میں خدا کا پہلا اور آخری پیغام ہے، جو کالے گورے، ترک و تاتار، ہندی و چینی، رنگ و فرنگ سب کے لیے عام ہے جس طرح اس کا

خدا تمام دنیا کا خدا ہے، الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، تمام دنیا کا پروردگار ہے۔ اسی طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، تمام دنیا کے لئے رحمت ہے، اور اس کا پیغام بھی تمام دنیا کیلئے پیغام ہے۔

انْ هُوَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا
 وَ الَّذِي لَهُ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ
 وَ الْاَرْضِ، (فرقان - ۵)

وہ نہیں ہے مگر نصیحت تمام دنیا کے لئے
 برکت والا ہے وہ (خدا) جس نے اپنے بندہ پر
 فیصلہ والی کتاب تاری تاکدہ تمام دنیا کو
 ہوشیار کرنے والا ہو۔ وہ خدا کہ اسی کی
 ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی

آپ تمام دنیا کے نذیر ہو کر آئے، جہاں تک خدا کی سلطنت ہے وہاں
 تک آپ کی پیغامبری کی وسعت ہے، سورہ اعراف میں ہے
 قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ
 إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۚ وَالَّذِي لَكُمْ مَلِكُ
 السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ،

کہدے اے لوگو! میں تم سب کی طرف (اسی
 اللہ کا رسول ہوں، جس کی آسمانوں اور
 زمین کی سلطنت ہے

دیکھو، اس میں بھی پیغام محمدی کی وسعت ساری کائنات تک بتائی گئی ہے
 اس سے زیادہ یہ کہ جہاں تک اس پیغام کی آواز پہنچ سکے، سب اس کے دائرے
 میں ہے

وَ اَوْحِيَ اِلَيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِانذِرَكُمْ
 بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ
 (العاصم)

اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے، تاکہ
 اس سے میں تم کو ہوشیار کروں اور جس تک
 یہ پہنچے اس کو (ہوشیار کروں)

اور بالآخر:

وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً
 اور ہم نے نہیں بھیجا تم کو اے محمد، لیکن تمام

لِنَّاسٍ كَثِيرٍ اَوْ تَذِيْرًا، انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور
(سَبَابًا) ہوشیار کرنے والا (بنا کر)

ان حوالوں سے یہ امر پوری طہائیت ہوتا ہے کہ سارے مذہبوں میں
صرف اسلام نے اپنے دائمی اور آخری اور کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ سے پہلے تمام انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی
طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کو اپنا بھیجا گیا ہوں۔ یہ ہمارے دعویٰ کا مزید
ثبوت ہے اور تاریخ کی عملی شہادت ہی تائید میں ہے۔ الغرض کہنا یہ ہے کہ
پیغام محمدی بھی اسی طرح کامل، دائمی اور عالمگیر ہے۔ جس طرح اس پیغام کے لانے
والے کی سیرت اور اس کا عملی نمونہ کامل، دائمی اور عالمگیر ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کامل و دائمی و عالمگیر پیغمبر کا آخری، دائمی
اور عالمگیر پیغام کیا ہے جس نے تمام مذاہب کی تکمیل کی، اور ہمیشہ کے لئے خدا
کے دین کو مکمل اور خدا کی نعمت کو تمام کر دیا۔

ہر مذہب کے دو جزو ہیں، ایک کا تعلق انسان کے دل سے اور دوسرے
کا انسان کے باقی جسم اور مال و دولت سے ہے پہلے کو ایمان اور دوسرے کو عمل
کہتے ہیں، عمل کے تین حصے ہیں۔ ایک خدا سے متعلق ہے جس کو عبادات کہتے ہیں
دوسرا انسان کے باہمی کاروبار سے متعلق ہے جس کو معاملات کہتے ہیں اور جن کا
بڑا حصہ قانون ہے تیسرا انسان کے باہمی تعلقات اور روابط کی بجا آوری سے
ہے اس کو اخلاق کہتے ہیں۔ غرض ان عبادات، معاملات اور اخلاق
مذہب کے یہی چار جزو ہیں، اور یہ پانچ جزو پیغام محمدی کے ذریعے سے تکمیل کو
پہنچے ہیں

توراة اور انجیل میں عقائد کا حصہ اہل ناصات اور غیر واضح ہے اس میں خل

کے وجود اور توحید کا بیان ہے، لیکن دلیلوں اور ثبوتوں سے معرا۔ خدا کی صفات جو اصل میں روح انسانی کی بالیدگی کا ذریعہ ہیں، اور جن کے ذریعہ سے خدا کی معرفت اور محبت ہو سکتی ہے، نہ توراہ میں ہیں اور نہ انجیل میں۔ توحید کے بعد رسالت ہے، رسالت اور نبوت کی حقیقت، وحی، الہام و مکالمہ کی تشریح، انبیاء کرام کی حیثیت انسانی، انبیاء کا ہر قوم میں ہونا، انبیاء کے فرائض، انبیاء کو کس حیثیت سے تسلیم کرنا چاہیے، انبیاء کی معصومیت، ان تمام مسائل سے پیغام محمدی سے پہلے کے تمام پیغامات خالی ہیں۔ جزا و سزا، دوزخ و جنت، حشر و تشریفات و حیاتِ آخرت۔ توراہ میں ان کے نہایت دھندلے سے نشانات ہیں۔ انجیل میں ایک یہودی کے جواب میں ان اہم امور کے متعلق ایک دو فقرے ملتے ہیں ایک دو فقرے جنت و دوزخ کے متعلق بھی ہیں اور بس۔ لیکن پیغام محمدی میں ہر چیز صاف اور مفصل موجود ہے

فرشتوں کا تخیل توراہ میں بھی ہے مگر بالکل ناصاف کبھی کبھی خدا سے واحد اور فرشتوں میں یہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے کہ توراہ میں خدا کا ذکر ہو رہا ہے یا فرشتوں کا انجیل میں ایک دو فرشتوں کے نام آتے ہیں۔ وہاں روح القدس کی حقیقت اس قدر مشتبہ ہے کہ نہ اس کو فرشتہ کہہ سکتے ہیں نہ خدا یا یوں کہو کہ اس کو فرشتہ بھی کہہ سکتے ہیں اور خدا بھی۔ لیکن پیغام محمدی میں ملائکہ اور فرشتوں کی حقیقت بالکل واضح ہے اس میں ان کی حیثیت مقرر کر دی گئی ہے ان کے کام بتا دیے گئے ہیں۔ خدا سے پیغمبروں سے اور کائنات سے ان کا تعلق کھول کر بتا دیا گیا ہے

یہ تو وہ تکمیل ہے جو عقائد اور ایمانیات میں پیغام محمدی نے کی ہے اب آئیے عملیات کا امتحان لیں عملیات کا پہلا حصہ عبادات ہے، توراہ میں قربانی کی طویل بحث اور اس کے شرائط و آداب کی بڑی تشریح ہے روزوں کا

بھی ذکر آیا ہے دعائیں بھی کی گئی ہیں، بیت ایل یا بین اللہ کا بھی نام آتا ہے، لیکن یہ تمام چیزیں اس قدر دھندلی ہیں کہ ان پر لوگوں کی نظر بھی نہیں پڑتی، اور وہ ان کے انکار کی طرف مائل ہیں، پھر تہ عبادات کی تقسیم ہے، اور ان کے طریقے اور آداب بتائے گئے ہیں، نہ ان کے اوقات کی صاف صاف تعیین کی گئی ہے، اور خدا کی یاد اور دعاؤں کی باقاعدہ تعلیم دی گئی ہے، نہ کوئی دعا بندہ کو سکھائی گئی ہے۔ زبور میں خدا کی دعائیں اور مناجاتیں بکثرت ہیں، مگر عبادات کے طریقے، آداب، اور دیگر شرائط کا پتہ نہیں۔ انجیل میں عبادات کا بہت کم بلکہ بالکل ذکر نہیں ہے ایک جگہ حضرت عیسیٰ کے چالیس دن کے فاقہ کا ذکر ہے، اس کو روزہ کہہ لو۔ یہودیوں کا یہ اعتراض بھی انجیل ہی میں ہے کہ کیوں تیرے شاگرد روزے نہیں رکھتے؟ سولی والی رات میں دعا کرنے کا ذکر ہے، اور وہیں ایک دعا بھی سکھائی گئی ہے، مگر اور عبادات کا وہاں نشان نہیں، لیکن اسلام کے پیغام میں ہر چیز صاف اور مفصل ہے۔ نماز، روزہ، حج، آداب و شرائط عبادات کے طریقے، خدا کے ذکر اور یاد کی دعائیں اور موثر باتیں نماز کے اوقات، روزے کے اوقات، حج کے اوقات، ہر ایک کے احکام اور خدا کے حضور میں بندوں کے عجز و زاری، دعا و مناجات، گناہوں کے اقرار اور توبہ و ندامت اور عبودیت کے باہمی راز و نیاز کی وہ وہ تعلیمیں دی گئی ہیں جو روح کی غذا ہیں، جو دلوں کی گرہیں کھولتی ہیں، جو انسانوں کو خدا تک پہنچا دیتی ہیں۔ جو مذہب کی روح کو مجسم کر دیتی ہیں

عمل کا دوسرا حصہ معاملات یا مملکت و مائت کے قوانین کا ہے، یہ حصہ حضرت موسیٰ کے پیغام میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور پیغام محمدی نے ان کو بڑی حد تک قائم رکھا ہے، لیکن ان قوانین کی سختی کم کر دی ہے، اور

ایک قومی قانون کے تنگ دائرہ سے نکل کر اس کو عالمگیر قانون کی حیثیت دے دی ہے، اور اس حیثیت سے جن تکمیلی اجزاء کی ضرورت تھی ان کا اضافہ کیا ہے۔ زیڈل انجیل اس شریعت اور قانون سے بالکل خالی ہیں، طلاق و نذرہ کے متعلق ایک قانون احکام انجیل میں البتہ ہیں، باقی صفر، مگر عالمگیر اور دائمی مذہب کی ضرورتوں کی کفالت کے لئے مملکت اور معاشرت کے قوانین کی حاجت تھی، اور چونکہ پیغام عیسوی ان سے خلی تھا اس لئے دیکھو کہ عیسائی قوموں کو یہ چیزیں بت پرست یونانی اور رومی قوموں سے قرض لیتی تھیں۔ پیغام محمدی نے ان میں سے ہر ایک حصہ کو پوری نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ تکمیل کو پہنچایا، اور ایسے اصول اور قواعد کلیہ بتائے جن سے وقتاً فوقتاً ائمہ مجتہدین اور علماء ربانی نئی ضرورتوں کیلئے مسائل نکال نکال کر پیش کرتے ہیں اور کم از کم ایک ہزار برس تک اسلام نے دنیا میں جو شہنشاہی کی، اور سیکڑوں تمدن اور مہذب سلطنتیں قائم کیں، ان سب کا اسی قانون پر عمل درآمد رہا اور اب بھی اس سے بہتر قانون دنیا پیش نہیں کر سکتی

عمل کا تیسرا حصہ اخلاق ہے تورات میں اخلاق کے متعلق چند احکام پائے جاتے ہیں، ان میں سے سات اصولی احکام ہیں جن میں والدین کی فرمائرواری کی ایک ایجابی تعلیم کے سوا باقی محض سلبی تعلیمیں ہیں، تو خوں مت کر، تو چوری نہ کر، تو زنا نہ کر، تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے، تو اپنے ہمسایہ کی جود کو مت چاہ تو اپنے ہمسایہ کے مال کا لالچ نہ کر، ان میں سے چھٹا حکم چوتھے میں، اور ساتواں تیسرے میں داخل ہے اس لئے چارہی اخلاقی احکام رہ گئے

انجیل میں بھی انہی احکام کو دہرایا گیا ہے اور بھلا دوسروں کے ساتھ محبت کرنے کی بھی تعلیم دی گئی ہے، جس کو تورات کے احکام پر ایک اضافہ کہہ سکتے

لیکن پیغام محمدی نے اس قطرہ کو دریا کر دیا ہے سب سے پہلے اس نے اپنے
اصولی احکام متعین کیے جو سراج میں ربانی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے اور
اسرائیل میں مذکور ہیں۔ ان بارہ میں سے گیارہ انسانی اخلاق، اور ایک توحید
متعلق ہے، گیارہ میں سے پانچ سلبی ہیں اور پانچ ایجابی اور ایک سلبی و ایجابی کا لہجہ

ماں باپ کی عزت اور فرمانبرداری کر، جن کا تجھ پر حق ہے، ان کا احترام
تیمیم سے اچھا برتاؤ کر، تاپ تیل، ترازو اور پیمانہ ٹھیک رکھ، اپنا وعدہ پورا
کر، کہ تجھ سے اس کی پوچھ گچھ ہوگی، یا پانچ ایجابی باتیں ہیں۔ تو اپنی اولاد اٹل
نہ کر تو تاحق کسی کی جان نہ لے، زنا کے قریب نہ جا، انجان بات کے جوچھے نہ
زمین پر غرور نہ کر، یہ پانچ سلبی باتیں ہیں اور ایک حکم سلبی و ایجابی کا مجموعہ ہے،
فضول خرچی نہ کر بلکہ اعتدال اور بیخ کی راہ اختیار کر، نفس انہی اصولی احکام کا نابلد
سے واضح ہوا ہوگا کہ پیغام محمدی کیونکر تکمیلی پیغام ہو کر آیا ہے، اس نے ان
ان اصولی احکام کو بتایا اور مکمل کیا ہے، بلکہ اخلاق کی ایک ایک گہ کو کھولنا
کی ایک ایک قوت کا مصروف بتایا، اس کی ایک ایک کمزوری کو ظاہر کیا اور
ایک ایک بیماری کی تشخیص کی اور اس کا علاج بتایا ہے

یہ عمل، کی وہ تکمیل تھی جو پیغام محمدی کے ذریعہ سے انجام پائی
اسلامی تعلیمات کے وسیع دفتر کو اگر ہم دو مختصر نقطوں میں ادا کرنا چاہیں تو
ہم ان کو ایمان اور عمل صالح کے دو نقطوں سے تعبیر کر سکتے ہیں، ایمان اور عمل
دو چیزیں ہیں جو ہر قسم کے محمدی پیغام پر حاوی ہیں اور قرآن پاک میں انہی دونوں
پر انسانی نجات کا مدار ہے یعنی یہ کہ ہمارا ایمان پاک اور مستحکم ہو اور عمل نیک و صالح
ہو، اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قرآن میں بیسیوں جگہ آیا ہے، اور ہر جگہ
کھول کھول کر بیان کیا ہے، کہ قلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عمل صالح پر ہوگی

ہے میں چاہتا تھا کہ ان دونوں اصولی مسئلوں کو پوری تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے رکھ دوں، مگر افسوس کہ یہ موقع نہیں ہے کہ یہاں ان کی پوری تفصیل پیش کی جاسکے، اس لیے اس وقت پیغام محمدی کا صرف وہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے، جس نے ایمان و عمل کے متعلق تمام دنیا کی غلطیوں کی اصلاح کی، اور دین ناقص کو تکمیل کے درجہ تک پہنچایا۔ اور ان اصولی اور بنیادی غلطیوں کو دور کیا، جن کی بنا پر انسانیت صد درجہ پستی اور گمراہی میں تھی، اور وہ غلطیاں ہر قسم کی گمراہیوں کی بنیاد اور جڑ تھیں۔ ان بنیادی مسئلوں میں سب سے پہلا مسئلہ جو پیغام محمدی کے ذریعہ سے سامنے آیا وہ کائنات اور مخلوقات الہی میں انسانیت کا درجہ ہے، اور یہی توحید کی جڑ ہے۔ اس کے پہلے انسان اکثر مخلوقات الہی سے اپنے کو کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتا تھا، وہ سخت پتھر اونچے پہاڑ، پتے دریا و سرسبز درخت پرستے پانی، دہکتی آگ ڈراؤنے جنگل زہریلے سانپ ڈکارتے شیر، دودھ دیتی گائے چمکتے سورج، درخشاں تاروں کالی راتوں، بھیانک صورتوں، غرض دنیا کی ہر اُس چیز کو جس سے وہ ڈرتا تھا، یا جس کے نفع کا خواہش مند تھا، پوجتا تھا، اور اس کے آگے اپنی عبودیت کا سر جھکاتا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں بلکہ تم ان کے آقا ہو۔ وہ تمہارے لئے پیدا کی گئی ہیں، تم ان کے لئے پیدا نہیں کئے گئے وہ تمہارے آگے چھکی ہیں تم کیوں ان کے آگے جھکتے ہو۔ اے انسانو! تم اس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو اس لئے یہ ساری مخلوقات اور کائنات تمہارے زیر فرمان کی گئی ہے۔ تم اس کے زیر فرمان نہیں کئے گئے وہ تمہارے لئے ہے تم اس کے لئے نہ ہو

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ
جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (بقرہ ۲۸)

(یاد کرو) جب تیرے خدا نے فرشتوں سے کہا
تھامیں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں
اور اسی (خدا) نے تم کو زمین میں اپنا نائب

وَسَجَّرَ لَكُمُ الْاَيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ وَالنَّجْمِ الْمُسْتَحَرَّتِ بِاَيْسٍ ۝
اور اس نے رات اور دن اور چاند اور سورج
کو تمہارے لئے کام میں لگایا، اور ستارے اس
کے حکم سے کام میں لگے ہیں (نحل - ۲)

دریا اور اس کی روانی بھی تمہارے لئے ہے

وَهُوَ الَّذِي يَمْشِي عَلَى الْبِحَارِ يَكْفُؤُ امْنَهُ
لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُ مِنْهُ حَبْلِيَّةً
تَلْبَسُوهَا وَتَمْرِي الْفُلْكَ مَوَازِرَ
فِيهِ وَتَلْتَبِخُوا مِنْ فِضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُونَ (نحل)

اور وہی (خدا ہے) جس نے دریا کو کام میں لگایا
ہے تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ۔ اور اس سے
آرائش کے موتی پہننے کو نکالو۔ اور تم دیکھتے
ہو کہ کشتیاں سمند کو چھاتی چلتی ہیں اور تاکہ تم
خدا کی مہربانی کو ڈھونڈ سکو، اور شاید کہ تم اس کا شکر کرو

اس معنی کی بہت سی اور آیتیں قرآن پاک میں ہیں، عارف شیراز نے اسی
مطلب کو اس شعر میں ادا کیا ہے

ابرو باد و مرغور شید فلک در کاند تا تو تازے بکھاری بغفلت نحوسی

ان آیتوں کے ذریعے سے پیغامِ محمدی نے یہ واضح کر دیا کہ انسان کائنات
کا سرتاج ہے، وہ خلافتِ الہی سے ممتاز ہے، وہ خلقِ کائنات کا مقصود ہے۔ اور
لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ اس کا طغرا ہے، غور کرو کہ اس حقیقت کے فاش ہونے
کے بعد انسان کے لیے کائنات کے کسی مظلوم یا مخلوق کے آگے سر جھکانا جائز ہے؟
اور اس کے آگے خاک پریشانی رکھنا مناسب ہے؟

نادان انسانوں نے خود ایک دوسرے کو بھی خدا بنایا تھا، چاہے وہ اُتار
بن کر آئے ہوں، یا تختِ جبروت پر قدم رکھ کر فرعون و نمرود و شہنشاہ بنے ہوں
یا تقدس کا لبادہ اوٹھ کر قیسیں و اہب کہلائے، یا پوپ اور عالمِ ددرویش بن کر
اپنے کو معبود منوانا چاہا ہو۔ یہ بھی انسانیت کی تحقیر تھی۔ پیغامِ محمدی نے اس کو
جڑ سے کاٹ دیا

وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُهُمْ آدْرِبًا
بِآدْرِ بَعْضُهُمْ (آل عمران) خدا کو چھوڑ کر
اور نہ بتائے ہم میں سے ایک دوسرے کو اپنا رب

یہاں تک کہ انہوں کو بھی رہا نہیں کہ وہ یہ کہیں
كُونُوا عِبَادًا لِّي حَمِيدًا اللَّهُ (آل عمران) خدا کو چھوڑ کر میرے بند سے ہو جاؤ۔

آنکھوں سے پوشیدہ ہستیوں میں فرشتے، اور آنکھوں کے سامنے
کی ہستیوں میں انبیا سب سے بلند ہیں، مگر وہ بھی انسان کا معبود نہیں ہو
سکتے۔

وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُكَذِّبُوا الْحَلِيقَةَ
وَالسَّيِّئِينَ آدْرِبًا (آل عمران) اور وہ خدا یہ حکم نہیں دیتا کہ فرشتوں
اور نبیوں کو رب بناؤ۔

الغرض انبات کا درجہ پیغامِ محمدی کے ذریعہ اتنا بلند ہو گیا کہ اس کی
پیشانی سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں نہیں جھک سکتی، اور اس کے
ہاتھ اس ایک کے کسی اور کے آگے نہیں پھیل سکتے، جس سے وہ لینا چاہے
اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور جس کو وہ دینا چاہے اس سے کوئی نہ نہیں سکتا

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ فِي
الْأَرْضِ (اللہ) (زمرہ - ۱۹) اور وہی آسمان میں خدا ہے، اور وہی زمین
میں خدا ہے

إِلَهِ الْخَلْقِ وَالْخَلْقِ (آل عمران - ۷۱) ہاں اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا
إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ (نہم - ۷) حکومت صرف خدا کی ہے

لَعَزِيزٌ لَّهُ شَرُّ يَدِكَ الْعُلُوكِ (آل عمران - ۱۰) اس کی سلطنت میں کوئی شریک نہیں
اس پیغامِ نبوی کو سامنے رکھ کر ذرا توحید کے مسئلہ کو سمجھو تو معلوم ہوگا
کہ علاوہ اس کے کہ اس نے انسانیت کے درجہ کو کہاں تک بلند کیا، توحید کی
حقیقت کو بھی کس لڑکھو، دیا ہے، یہاں وہ خدا، کے ساتھ کوئی "دقیصر"،

نہیں ہے، جو کچھ ہے اسی خدا کا ہے، قیصر کا کچھ نہیں، اسی کی حکومت ہے، اسی کی سلطنت ہے، اور اسی کی فرمانروائی ہے، اسی کا ایک حکم ہے، جو فرش سے عرش تک اور زمین سے آسمان تک جاری ہے

عزیزو! اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر بتاؤ کہ ایک انسان اس نشہِ خلافت سے سرست ہو کر کیا کسی غیر خدا کے آگے جھک سکتا ہے؟ اندھا حیرا ہو یا روشنی ہوا ہو یا پانی، بادشاہ ہو یا دشمن، جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا تری، کیا کبھی ایک صحیح مسلمان کا دل خدا کے علاوہ کسی سے ڈر سکتا ہے اور کسی ہستی کی پرہیزگاری ہے؟

وہاں اس روحانی تعلیم کی اخلاقی قوت کو دیکھو، اور پیغامِ محمدی کی اس بلندی پر غور کرو۔

۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اصولی اور بنیادی پیغام یہ ہے

کہ انسان اصل خلقت میں پاک اور بے گناہ، اور اس کی فطرت کی لوح بالکل سادہ اور بے نقش ہے، وہ خود انسان ہی ہے، جو اپنے اچھے برے عمل سے فرشتہ یا شیطان یعنی بے گناہ یا گناہ گار بن جاتا ہے، اور اپنی فطرت کے سادہ دفتر کو سیاہ یا روشن کر لیتا ہے، یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے، جو نبی نوع انسان کو

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی، چین، برما، اور ہندوستان کے تمام مذاہب آداگون اور تنازع کے چکر میں مبتلا ہیں۔ یونان کے بعض بے وقوف حکیم بھی اس خیال سے متفق ہیں۔ مگر اس وہم نے انسانیت کو بے کار کر دیا، اور اس کی بیٹھڑ پر بڑا بھاری بوجھ رکھ دیا ہے، اس کے ہر عمل کو دوسرے عمل کا نتیجہ بنا کر

اس کو مجبور کر دیا، اور اس کی ہر زندگی کو دوسری زندگی کے ہاتھ میں دے دیا ہے اس عقیدہ کے مطابق کسی انسان کا دوبارہ پیدا ہونا ہی اس کی گناہ گاری کی دلیل ہے عیسائی مذہب نے بھی انسانیت کے اس بوجھ کو کم نہیں کیا، بلکہ اور بڑھا دیا ہے عیسائی مذہب نے یہ عقیدہ تعلیم کیا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ آدم کی گنہگاری کے

سبب سے موروثی طور پر گنہگار ہے، خواہ اس نے ذاتی طور پر کوئی گناہ نہ کیا ہو۔
 اس لئے انسانوں کی بخشائش کے لئے ایک غیر انسانی ضرورت ہے جو موروثی
 گنہگار نہ ہو۔ تاکہ وہ اپنی جان دے کر نبی نوع انسان کے لئے کفارہ ہو جائے
 لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر غمزدہ انسانوں کو یہ خوشخبری سنائی
 کہ تم کو بشارت ہو کہ تم نہ اپنی پہلی زندگی اور کرم کے انہوں مجبور و ناچار ہو۔ اور
 نہ اپنے باپ آدم کے گناہ کے باعث فطری گنہگار ہو، بلکہ تم فطرۃ پاک و صاف
 اور بے عیب ہو، اب تم خود اپنے عمل سے خواہ اپنی سنائی اور پاکی کو برقرار رکھو
 یا نجس و ناپاک بن جاؤ

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور
 اس امن والے ٹہرے کی (کہ) ایسے ہم نے انسان
 کو ستر سے اعمدہ پیدا کیا، پھر ہم اس کو نیچے
 سے نیچے پہنچا دیتے ہیں، لیکن وہ جو ایمان لائے
 اور چہنوں نے نیک عمل کئے

وَالشَّيْءِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سَيْنِينَ
 وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ لَقَدْ خَلَقْنَا
 الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ
 أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا
 وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (تین)

انسانوں کو پیغام محمدی کی یہ بشارت ہے کہ انان بہترین حالت، بہترین
 اعتدال اور راستی پر پیدا کیا گیا ہے، لیکن وہ اپنے عمل کی بنا پر نیک و بد ہو جاتا ہے
 خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

قسم ہے نفس کی اور اس کے ٹھیک بنائے
 جانے کی، پھر ہم نے سمجھ و دیدی اس کو بدی اور
 نیکی کی، تو کاربے وہ جس نے اس (نفس) کو پاک
 رکھا اور ناکام یا وہ جس نے اس کو میل کر دیا
 انسانیت کی فطری پاکی کے لئے اس سے زیادہ اسات پیغام اور کیا چاہیے

وَلَنفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا
 فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا
 وَقَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا
 فَذَخَابَ مَن دَسَّاهَا (شمس)

يُؤْتِكُمْ إِيَّاهُ عَلَى الْغَيْظِ كَمَا نَزَّلْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ الْغَيْظِ لَمَّا نَسُوا مَا وَعِدْنَاهُمْ وَقَدْ جَاءَهُمْ بَرَاءَةٌ مِنْ رَبِّكَ فَتَرَى سَعْيَهُمْ عَرْوًا وَيَجْمَعُ اللَّهُ الْأُمَمَ ذَاتِ الْأَلْسِنَةِ إِلَى يَوْمِ الْحُكْمِ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا اَمْرَ الْجَاهِلِیْنَ سَبَّحُوْا لِلّٰهِ حَمْدًا مِّمَّا رَزَقَنَا مِنْ غَیْظِہٖ لَمَّا نَسُوْا مَا وَعَدْنٰہُمْ وَکَانَ لَہُمْ اٰیٰتٌ لِّیَّزِیْرُوْہُمْ

اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں، جس طرف راہ نور اصل میں صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے، کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ ہم جتنا ہے یہ کہہ کر اپنے پھر اوپر کی آیت پڑھیں

ظہور کردہ اس پیغام محمدی نے بنی نوع انسان کو اپنی بڑی خوشخبری سنائی ہے اور انسان کے دائمی غم کو کس طرح مسرت سے بل دیا۔ اور ہر انسان کو اپنی زندگی کے عمل میں کس طرح آزاد بنا دیا ہے

۳۔ ظہور محمدی سے پہلے دنیا کی یہ کل آبادی گھرانوں میں بٹی ہوئی تھی لوگ ایک دوسرے سے نا آشنا تھے، ہندوستان کے رشیوں اور سینوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی، ان کے نزدیک پر مشور صرف پاک آریہ ورت کے باشندوں کی بھلائی ہوتا تھا، خدا کی رہنمائی عطیہ صرف اسی ملک اور بیس کے بعض خاندانوں کے لئے ٹھہراتھا زردشت خاک پاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سناتا تھا، بنی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں جانتے تھے، یہ پیغام محمدی ہی ہے، جس نے یورپ، پچھم، اتر، دکھن ہر طرف خدا کی آواز سنی، اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کے لئے ملک قوم اور زبان کی تخصیص نہیں اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب سب برابر ہے، ہر جگہ اللہ کے پیغام کی بانسری تھی، اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چکا،

وَاِنْ مِنْ اُمَّةٍ اِلاَّ جَعَلْنَا لَهَا رِجَالًا مِّنْ نَّبِيِّہِمْ

اور نہیں ہے کہ قوم مگر یہ کہ اس میں گزر

چکا ایک ہزار نے والا

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رع)

اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا

اور ہم نے تجھ سے پہلے کتنے رسول ان کی

الیٰ قَوْمِ مِصْرَ، (روم) کی اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجے۔

ایک یہودی اپنی قوم سے باہر کسی پیغمبر کو تسلیم نہیں کرتا، ایک عیسائی کے لیے بنی اسرائیل کے یا دوسرے ملکوں کے رہنماؤں کو تسلیم کرنا ضروری نہیں اور ایسا کرنے سے اس کے سچے عیسائی ہونے میں کچھ فرق نہیں آتا، ہندو دھرم کے لوگ آریہ ورت کے باہر خدا کی کسی آواز کے قائل نہیں، ایران کے زردشتی کو اپنے ہاں کے سوا دنیا ہر جگہ اندھیری معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا پیغام ہے کہ ساری دنیا ایک ہی خدا کی مخلوق ہے، اور خدا کی نعمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں۔ ایران ہو یا ہندوستان، چین ہو یا یونان، عرب ہو یا کشمیر ہر جگہ خدا کا نور یکساں چمکا، جہاں جہاں بھی انسانوں کی آبادی تھی، خدا نے اپنے قاصد بھیجے، اپنے رہنما اتارے، اور ان کے ذریعہ اپنے احکام سے سب کو مطلع فرمایا

اسلام کو اس تعلیم کا نتیجہ ہے، کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک دنیا کے تمام پیغمبروں پر پہلی آسمانی کتابوں پر، اور گزشتہ ربانی الناموں پر یقین نہ رکھے، جن جن پیغمبروں کے قرآن میں نام ہیں، ان کو نام بنام اور جن کے نام نہیں معلوم، یعنی قرآن نے نہیں بتائے ہیں وہ کہیں بھی گزرے ہوں اور ان کے جو نام بھی ہوں ان سب کو سچا اور بلاستباز ماننا ضروری ہے، مسلمان کون ہیں

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ
وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (بقرہ)

جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو اسے محمد تم پر
اترا اور اس پر جو تم سے پہلے اترا

پھر سورۃ بقرہ کے بیچ میں فرمایا

وَلِكِ الْيَوْمَ الْأَخِرِ وَاللَّهُ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالْ

لیکن نیکی اس کی ہے جو خدا پر اور قیامت
کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور

لَيَتَّبِعُنَّ ، (بقرہ) تمام نبیوں پر ایمان لایا

اسی سورۃ کے آخر میں ہے کہ پیغمبر اور اس کے پیرو۔

كُلُّ أُمَّةٍ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ

سب ایمان آئے خدا پر اور اس کے فرشتوں

وَرُسُلِهِ لَأَنفَرِقَ بَيْنَ أَحَدٍ

پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ہم

مِّنْ رُّسُلِهِ (بقرہ)

یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ بعض پر ایمان لائیں ، اور میں پر نہیں ، تمام مسلمانوں

کو حکم ہوتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ

اے ایمان آگئے والو! ایمان لاؤ خدا پر اور

وَرُسُلِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ

اس کے رسول پر ، اور اس کتاب پر

رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنِّي

جو اس نے پہنچا رسول پر اتاری ، اور اس کتاب

قَبْلُ (نساء: ۲۶)

پر جو پہلے اتاری گئی

عزیزو! دنیا کی اس روحانی مساوات ، انسانانہوت و برادری ، اور تمام

سچے مذہبوں رہنماؤں اور پیغمبروں کے اس حقیقی اب و تعظیم اور ان کی یکساں

صلابت کا سبق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کس نے دیا ہے ، اب بتاؤ

کہ پیغمبر اسلام کی رحمت عام ہمدردی اور رواداری کا دائرہ کتنا وسیع ہے کہ اس سے

انسانوں کی کوئی بستی اور بنی آدم کا کوئی گھرانہ خالی نہیں

ہم : تمام مذہبوں نے عبید و معبود اور خدا بندہ کے درمیان واسطے قائم

کر رکھے تھے ، قدیم بت خانوں میں کاہن اور پہاری تھے ، یہودیوں نے بنی لہی

اور ان کی نسل کو خدا اور بندہ کے درمیان عبادتوں اور بانیوں میں واسطے بنایا تھا

یہودیوں نے بعض حواریوں اور ان کے جانشین پوپوں کو یہ رتبہ دیا کہ وہ جو زمین پر

باندھیں گے وہ آسمان پر باندھا جائے گا ، اور جو زمین پر کھولیں گے وہ آسمان پر

کھولا جائے گا ، ان کو تمام انسانوں کے گناہ معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ، ان کے

بغیر کوئی عبادت نہیں ہو سکتی، ہندوؤں میں برہمن خاص خدا کے داہنے ہاتھ کے پیدا ہوئے ہیں۔ خدا اور بندہ کے درمیان وہی واسطہ ہیں۔ ان کی وساطت کے بغیر کوئی ہندو عبادت نہیں ہو سکتی۔ مگر اسلام میں پوجاریوں کاہنوں، پوپوں اور پادریوں کی کوئی عبادت نہیں ہے یہاں پریسٹ کلاس کا وجود نہیں یہاں کھولنے اور باندھنے کا اختیار صرف خدا کو ہے یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف اللہ کو ہے، عبد و معبود اور خدا اور بندہ کی عبادت اور بلاز دنیا میں کسی غیر کا دخل نہیں، ہر شخص جو مسلمان ہے، نماز کا امام ہو سکتا ہے، قربانی کر سکتا ہے نکاح پڑھا سکتا ہے، مذہب کے تمام مراسم بجالا سکتا ہے، یہاں انساں کو اُدْعُوْنِیْ اُصْبِحْ لَکُمْ اَسْمَے لوگو! بلا واسطہ مجھے پکارو، میں تم کو جواب دوں گا۔“ کی صدا سے عام ہے ہر شخص اپنے خدا سے باتیں کر سکتا ہے، اپنی دعاؤں میں اس کو پکار سکتا ہے اس کے آگے جھک سکتا ہے، اور دل کی عقیدت کے نذرانے بے واسطہ پیش کر سکتا ہے یہاں عبد اور معبود اور خدا بندہ کے درمیان کوئی متوسط اور ذخیل نہیں یہ سب بڑی آزادی ہے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسانوں کو عطا ہوتی، یعنی یہ کہ خدا کے معاملہ میں انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات ملی، ہر انسان اپنا آپ کاہن، پریسٹ پوپ اور برہمن ہے

۵۔ انسانوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے جو مقدس ہستیاں وقتاً فوقتاً آتی رہیں

ان کے متعلق ابتدا سے قوموں میں حد درجہ عقیدت مندی کی افراط تفریط رہی ہے افراط یہ تھی کہ نادانوں نے ان کو خود خدا یا خدا کا مثل، یا خدا کا روپ اور منظر ٹھہرایا بابل، اسیریا، اور مصر کے میلوں میں کاہنوں کی شان میں خدا کی نکر آتی ہے، ہندوؤں میں وہ ادتاس کے رنگ میں مانے جاتے ہیں، بودھوں اور جینیوں نے اپنے اپنے بودھوں اور مہا بیروں کو خود خدا تسلیم کر لیا، عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا، دوسری طرف تفریط یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر وہ شخص جو

پیشین گوئی کر سکتا تھا، نبی اور پیغمبر تھا، ایک نبی کی اُرت کے لئے اتنا ہی کافی تھا، کہ وہ پیشین گوئی کرتا ہے، خواہ وہ گنہگار ہو، انجان حیثیت سے قابل اعتراض ہو، خدا کی نگاہ میں اس کا کیسا ہی درجہ ہو، اس کا نیک اور معصوم ہونا بھی ضروری نہ تھا، اسی لئے بنی اسرائیل کے موجودہ صحیفوں میں بڑے بڑے پیغمبروں کے متعلق ایسی حکایتیں ملتی ہیں جو حد درجہ لغو اور بیہودہ ہیں

اسلام نے اس منصبِ عظیم کی صحیح حیثیت مقرر کیا اور بتایا کہ انبیاءِ خدا ہیں نہ خدا کے مثل ہیں، نہ خدا کے اوتار ہیں، نہ خدا کے بیٹے اور رشتہ دار ہیں، وہ آدمی ہیں اور محض آدمی ہیں، وہ بشر ہیں، اہلِ انصاف بشریت کے جامہ میں ہیں، تمام انبیاءِ بشر تھے، اور آخری پیغمبر نے خود اپنے متعلق کہا کہ میں بشر ہوں کفار تعویب سے کہتے تھے :-

» کیا بشر رسول «، ہ

اسلام نے کہا، ہاں !

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ،
ہَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ
کہوے اے پیغمبر! تمہاری ہی طرح بشر ہوں
میں نہیں ہوں البیٰ بشر رسول :-

خدا کے کارخانے کی کوئی چیز بالذات انبیاء کے انبار میں نہیں، ان کو بالذات کسی مافوق طاقت بشری کام پر قدرت نہیں انہوں نے کہہ کر کیا وہ خدا کے اذن و اشارہ سے ۔

دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ گوانسان الٰہی ہیں، لیکن اپنے کمالات کی حیثیت سے تمام انسانوں سے مافوق ہیں، خدا سے مکالمہ کرتے ہیں، ان پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ بے گناہ اور معصوم ہوتے ہیں تاکہ گنہگاروں کیلئے نمونہ بنیں ان کے ہاتھوں سے خلا اپنا بن اور شاہ سے اپنی

قدرت کے عجائبات دکھاتا ہے، وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں، ان کی عزت و تعظیم اور اطاعت سب پر فرض ہے، وہ خدا کے خاص سپہ اور مطیع بندے ہیں، جن کو خدا تعالیٰ اپنی رسالت اور پیغمبری کے منصب سے سرفراز کرتا ہے۔ یہ بے اعتدال اور درمیانی راہ جو پیغام محمدؐ نے انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کی نسبت قائم کی ہے، جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے، اور اس کے مذہب کے مناسب ہے، جس نے دنیا میں توحید کی تکمیل کی دستو! آج کی مجلس نے طول پکڑا، ابھی کہنے کی بہت کچھ باتیں ہیں

شب آخر گشتہ، و افسانہ از افسانہ می نیرد

انشاء اللہ آئندہ مزید معروضات پیش کرونگا، رات زیادہ گئی ہے، اس لئے اب آج کی مجلس اس وائمی کامل اور عالمگیر معلم کے درود و سلام پر ختم ہوتی ہے

پیغامِ محمدی

دوستو! آج میری اور آپ کی ایک ماہ ملاقات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، آج میری تقریر کی آٹھویں قسط ہے، میں نے چاہا تھا کہ ان دو اخیر تقریروں میں اسلام کے بنیادی امور کے متعلق تمام باتیں آپ کے سامنے پیش کر دوں مگر

صد سال می تو ان سخن از زلفت یا ربست

مسئلہ توحید کے متعلق تمام پہلے مذاہب میں جو حقیقت میں توحید ہی کا پیام آیا اس دنیا میں آئے تھے۔ تین اسباب سے غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوئیں، ایک جہانِ تشبیہ و تشیل، دوسرے صفات کو ذات سے الگ اور مستقل ماننا، اور تیسرے افعالِ نیرنگی سے دھوکا کھانا، پیغامِ محمدی نے ان گمراہوں کو کھولا، ان غلط فہمیوں کو دور کیا اور حقیقتوں کو واضح کیا سب سے پہلے تشبیہ و تشیل کو لیجئے،

۱۔ خدا کو۔ خدا کی صفاتوں کو، اور خداوندہ کے باہمی تعلق کو واضح کرنے کے لئے خیالی یا مادی تشبیہیں اور تشیلیں، دوسرے مذاہب کے معتقدوں نے ایجاد کیں، نتیجہ یہ ہوا اصل خدا تو جاتا رہا، اور اس کی جگہ یہ تشبیہیں اور تشیلیں خدا بن گئیں، انہی تشبیہوں اور تشیلیں نے مجسم ہو کر بتوں کی شکل اختیار کر لی، اور بت پرستی شروع ہو گئی، خدا کو اپنے بطن کے ساتھ جو لطف و کرم، اور محبت اور پیار ہے اس کو تشبیہ و تشیل کے رنگ میں ادا کر کے مجسم کر دیا گیا۔ آریں قوموں میں چونکہ عورت محبت کی دیوی ہے اس لئے خدائے مائے کی شکل آگیا، بعض دوسرے ہندو فرقوں میں اس بے کیف محبت کو زن و شو اور میاں بیوی کے الفاظ میں ادا کیا گیا، سدا سماگ فقیروں نے ساڑھی اور چوٹی پہن کر اسی حقیقت کو انہی

کیا ہے، رومیوں اور یونانیوں میں بھی عورت ہی کی شکل میں خدا ظاہر ہوا ہے، سامی قوموں میں عورت کا یہ ملاذ کر تہذیب کے خلاف ہے اس لئے خاندان کی اصل بنیاد پر یہ قرار دیا گیا ہے، اس طرح بابل و اسیریا و شام کے کھنڈروں میں خدا مرد کی صورت میں جلوہ نما ہے، بنی اسرائیل کے ابتدائی تخیل میں خدا باپ اور تمام فرشتے اور انسان اس کی اولاد بتاتے گئے ہیں، بعد کو باپ خدا کی اولاد صرف بنی اسرائیل قرار پاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے بعض صحیفوں میں زن و شوکا تخیل بھی تھا اور بنی اسرائیل کے درمیان نظر آتا ہے، یہاں تک کہ بنی اسرائیل اور یروشلم بیوی فرزند کیسے جاتے ہیں، اور خدا شوہر بتاتا ہے، عیسائیوں میں باپ اور بیٹے کی تخیل نے اصلیت اور حقیقت کی جگہ لے لی، عربوں میں بھی اسی قسم کا تخیل تھا، خدا باپ تصور کیا جاتا تھا، اور فرشتے اس کی بیٹیاں، پیغام محمدیؐ نے ان تمام تشبیہی اور تشبیلی صورتوں طریقوں اور محاوروں کو یک قلم موقوف کر دیا، اور ان کا استعمال شرک قرار دیا، اس نے صاف اعلان کیا لیس کہ مشابہ شئیٰ در اس جیسی اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں، اس ایک آیت نے شرک کی ساری بنیادوں کو بگاڑ دیا، پھر ایک نہایت ہی چھوٹی سورہ کے ذریعہ سے انسانوں کے سب سے بڑے وہم کو دور کیا۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ
 كَمَدَّةٍ لِّمَنْ يَسْتَعِينُ اللَّهُ يَكْفُلُهُ
 لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَكَ
 يَكُنْ لَكَ كَفُوفٌ أَحَدٌ

(اخلاص)

اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے

(جو زن و شوکار شہد قائم کے)

اس ایک سورہ میں قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورہ ہے، توحید کی نگری ہوئی صورت ظاہر ہوئی ہے، جس کی بنا پر دین محمدیؐ ہر قسم کے شرک کے مخالفوں سے

پاک ہو گیا ہے

دوستو! اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ پیغام محمدؐ نے خدا اور بندہ کے درمیان محبت، پیار اور لطف و کرم کے تعلقات کو توڑ دیا ہے، نہیں اس نے ان تعلقات کو اور زیادہ پیوستہ اور مضبوط کر دیا ہے، لیکن ان تعلقات کے ادا کرنے میں جو جسمانی تعبیریں مختلف انسانی شکلوں میں تھیں صرف ان کو توڑ دیا ہے، اس لئے کہ اول تو یہ انسانی طریقہ ادا حقیقت کے بہت کم رتبہ ہے، یعنی اس کی نگاہ میں عید و معبود کے درمیان جو تعلق ہے اس کے مقابلہ میں باپ، بیٹے، ماں بیٹیاں، یا زن و شوہر کا تعلق محض بیچ اور بالکل کم درجہ ہے، دوسرے یہ کہ ان تعبیروں سے شرک کی غلطیاں پیدا ہوتی ہیں، اسی لئے اسلام نے یہ کہا: **اَذْكُرُوا لِلّٰهِ كُرًّا كَوْمًا اٰبَاءَكُمْ وَاَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا** تم اللہ کو اسی طرح یاد کر دیتے اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ بلکہ اس سے اور بڑھ کر (یاد کرو) دیکھو کہ اس آیت میں محبت الہی کو ادا کرنا تھا تو یہ نہیں کہا کہ "خدا تمہارا باپ" یعنی خدا اور باپ کے رشتہ کو مشبہ اور مشبہ بہ نہیں بنایا۔ بلکہ خدا کی محبت اور باپ کی محبت کو باہم مشبہ اور مشبہ قرار دیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس نے اس جسمانی رشتہ کو جو چھوڑ دیا لیکن اس جسمانی رشتہ کی محبت کو باقی رکھا۔ آگے بڑھ کر اس نے کہا بلکہ باپ سے بہت زیادہ خدا سے محبت رکھنی چاہیے۔ **اِذْ اٰتٰتُكَ ذِكْرًا** اس سے ظاہر ہوا کہ اس رشتہ کی محبت کو وہ خدا اور بندہ کی محبت اور تعلق کے مقابلہ میں کم رتبہ اور بیچ بکھتا ہے اور اس میں ترقی کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ **وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ اِيْمَانٌ وَّ اٰتٰتُكَ ذِكْرًا** زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ اسلام خدا کو **اَبُو الْعَالَمِيْنَ** دینا کا باپ نہیں کہتا بلکہ **رَبُّ الْعَالَمِيْنَ** دینا کا پالنے والا ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہ میں ابا سے **رَبُّ** کا رتبہ بہت بلند ہے، باپ کا تعلق بیٹے سے آتی اور عارضی ہے، مگر **رَبُّ** کا تعلق اپنے مرئوب سے اسکی خلقت اور وجود کے اولین لمحہ سے لیکر آخرین لمحہ تک برابر بلا انقطاع قائم رہتا ہے۔ اسلام کا خدا **وَدُوْدٌ** ہے یعنی محبت والا۔ **رَدُوْفٌ** یعنی ایسی رافت اور محبت والا جو باپ کو اپنے بیٹے سے ہے **حَنَانٌ** ہے یعنی ایسی محبت والا جیسی ماں کو اپنے بیٹے سے ہے۔ مگر وہ نہ باپ ہے اور نہ ماں بلکہ ان تشبیہوں سے پاک ہے۔

۲۔ حضرات! قدیم مذہب کے عقیدہ توحید میں غلط فہمیوں کا دوسرا سبب کا مسئلہ ہے یعنی ایسی صفات کو ذات الہی سے الگ مستقل وجود کے طور پر تسلیم کرنا۔ مندوں کے عام مذہب میں جو خداؤں کا اعداد و شمار لکھا آتا ہے وہ حقیقت میں اسی غلطی کا نتیجہ ہے کہ ہر ایک صفت کو انہوں نے ایک علیحدہ اور مستقل وجود مان لیا اور اس طرح ایک خدا سے ۲۳ کروڑ خدا بن گئے۔ تقدیر چھوڑ کر صفات کی تشبیہ اور تمثیل بھی انہوں نے مجسم کر کے پیش کی۔ خدا کی صفت قوت کو ظاہر کرنا تھا۔ تو انہوں نے اسے واقعی ہاتھ کے ذریعہ سے ظاہر کیا اور اس کی جسمانی تمثیل میں کئی کئی ہاتھ بنا دیئے، خدا کی حکمت بالغہ کو سمجھنا نہ تھا، تو ایک سر کے بجائے دوسرے کی موت کھڑی کر دی

ہندو مذہب کے فرقوں پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ وہ اسی ایک مسئلہ صفت کے مجسم اور مستقل وجود کے تمثیل سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں، خدا کی تین بڑی صفتیں ہیں، خالقیت، قیومیت اور مہمیت، یعنی پیدا کرنے والا، قائم رکھنے والا اور فنا کر دینے والا، ہندو فرقوں نے ان صفتوں کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا اور برہما و شنو، اور شیو، یعنی خالق، قیوم، اور مہیت تین مستقل ہستیاں بن گئیں اور برہمن دشنو پرست اور شیو پرست تین الگ الگ فرقے ہو گئے، اور تینوں کے پوجنے والے الگ الگ ہو گئے لگاتار فرقہ نے خالقیت کی صفت کو اپنا خدا ٹھہرا کر مرد و عورت کے آلات تولید کو اس خالق کا نظہر مان لیا اور ان کی تصویر پوجنی شروع کر دی

عیسائیوں نے خدا کی تین بڑی صفتوں، یعنی حیات، علم، اور ارادہ کو تین مستقل شخصیتیں تسلیم کر لیا، حیات باپ ہے، علم روح القدس ہے، اور ارادہ بیٹا ہے اسی قسم کی چیزیں رومی، یونانی اور مصری تمثیل میں بھی ملتی ہیں، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نے اس غلطی کا پردہ چاک کر دیا، اور صفات کی نیرنگی سے دھوکا کھا کر ایک کوچند سمجھتا انسان کی جہالت اور نادانی قرار دیا

مَلِكِهِ الْمُخْتَارِ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَرَبِّ
الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَ لَهُ
الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ،

(جاثیہ ۴۵)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں
چھے اور کھلے کا جانتے والا ہے سہراں رحم
والا، وہی اللہ ہے، جس کے سوا کوئی اللہ
نہیں، وہ بادشاہ پاک، صلح دامن، امن دینے
والا، پناہ میں لینے والا، زبردست دباؤ والا
ہے، بڑائیوں والا، پاک ہے اللہ ان باتوں
سے جن کو یہ مشرک لوگ اس کا شریک ٹھہراتے
ہیں، وہی خدا ہے جو خالق ہے، جو عدم
سے لانے والا ہے، جو صورت گری کرنے
والا ہے، اسی کہتے ہیں، سب اچھے نام
ریا سب اچھی صفاتیں، جو کچھ آسمانوں میں
اور زمین میں (مخلوقات) ہے، سب اس کی
تسبیح پڑھتی ہیں، وہی غالب (ور) دانا

(حشر - ۳۵)

ہے،

ان صفوں والے خدا کو ہم نے عرفیہ بنام محمدی ہی کے ذریعے سے
جاتا ہے ورنہ دوسروں نے تو ذات سے صفات کو الگ کر کے ایک خدا کے چند

ہلکڑے کر ڈالے تھے، مُسَبِّحَاتُ اللّٰهِ عَمَّا لَيْسَ كُوْنُ سے مراد وہی شرک ہے جو صفات کو ذات سے الگ کر کے لوگوں نے اختیار کیا تھا، اس آخری پیغام نے بتایا کہ وہی اللہ ہے، وہی خالق ہے، وہی باری ہے، وہی معبود ہے وہی ملک ہے، وہی قدوس ہے، وہی مومن ہے، وہی عزیز و جبار ہے اور وہی رحمان رحیم ہے۔ ایک ہی ذات کی یہ سب صفیتیں، اور وہ ایک ہے۔

۳۔ شرک کا تیسرا سرچشمہ، افعال ہی کی نیرنگی ہے، لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ ان مختلف افعال کی کرنے والی ہفت ہستیاں ہیں، کوئی مارتی ہے کوئی جلاتی ہے کوئی لڑاتی لڑواتی ہے کوئی صلہ لاتی ہے، کسی کا کام جتنے کسی کا کام حدادت ہے، کوئی علم کا دیوتا ہے کوئی دولت کی دیوی ہے، فرض ہر کام کے لیے الگ الگ سنگیڑوں خدا ہیں، اسلام نے ان نادانوں کو بتایا کہ یہ ایک خدا کے کام ہیں۔

تمام افعال کی دو بڑی قسمیں ہیں ایک خیر اور ایک شر یا ایوں کہو کہ ایک اچھی اور دوسری بُری، اس خیال سے کہ ابک ہی ذات سے خیر و شر کے دو متضاد کام نہیں ہو سکتے، زردشتیوں نے خیر اور اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کے نئے الگ خدا، شر اور برے کاموں اور بُری چیزوں کے لیے الگ خدا ٹھہرایا، پہلے کا نام یزدان اور دوسرے کا اہرمین رکھا اور دنیا کو اس یزدان اور اہرمین کی باہمی کشمکش کا معرکہ گاہ ٹھہرایا یہ غلطی اہل تے ہوئی کہ وہ خیر و شر کی حقیقت نہیں سمجھ سکے، دوستو! خیر و شر دنیا کی کوئی چیز نہیں ہے، کوئی شے اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر سے نہ شر اور شر انسانوں کے صحیح استعمال اور یا غلط استعمال سے بن جاتی ہے۔ فرض کرو آگ ہے، اگر اس سے کھانا پکاؤ یا انجن چلاؤ یا غریب کو تاپنے کو دو تو یہ خیر ہے، اور اگر اسی سے کسی غریب کا گھر جلا دو، تو یہ شر ہے آگ اپنی اصل کے لحاظ سے نہ خیر ہے نہ شر ہے تم اپنے استعمال

سے اس کو خیر یا شر بنا دیتے ہو، تلوار نہ تو خود خیر ہے نہ شر، تم اس کو جیسا استعمال کرو ویسی ہی ہے، تار کی نہ خیر ہے نہ شر، اگر تم اس کو لوگوں کے گھر میں چھدی کا ذریعہ بناؤ تو شر، اور اگر اپنے کو چھپا کر نیکیوں کے کرنے کا وقت بناؤ، یا انسان کے حواس کے آرام و سکون اور راحت کا ذریعہ بناؤ تو خیر ہے۔

خدا نے یہ کائنات بنائی، آسمان و زمین بنائے، مادہ کو خلق کیا، اشیاء میں خاصیتیں رکھیں، اور ان کو مختلف قوتیں بخشیں، پھر انسان کو بنایا، اس کو دل و دماغ، بخشا، عقل و حکمت دی، اب دیکھو کہ ایک انسان اس کائنات کی ترتیب، اشیاء کی ترکیب اور خاصیتوں کو دیکھ کر ایک خالق و قادر کی صنعت کا ہی اور صورت گری پر تعجب کرتا ہوا قَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ پڑھ کر حضرت ابراہیم کی طرح یہ پکار اٹھتا ہے، اِنِّیْ رَجَمْتُ وَجْهَیْ لِذِیْ نَظَرٍ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ حَنِیْفًا مَّا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ " میں نے اپنا منہ سب کی طرف سے پھیر کر اس ذات کی طرف کر لیا، جس نے آسمانوں کو اور زمین پیدا کیا، اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں دوسری طرف اسی مادہ اور اس کی قوتوں اور خاصیتوں کی ظاہر داریوں میں پھنس کر انسان کے دل و دماغ کی عقل و حکمت خدا کا انکار کر بیٹھتی ہے، اور مادہ ہی کو اصل کائنات اور علت العلل سمجھنے لگتی ہے اور یہ کہہ اٹھتی ہے، وَمَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا مِیْلٰکُنَا اِلَّا الدَّخْرُ (جانتیہ) اس دنیاوی زندگی کے علاوہ پھر کوئی دوسری زندگی نہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں، اور ہم کو زمانہ کے سوا کوئی اور نہیں مارتا، کائنات اور اس کے عجائبات اور خواص، ہر شخص کے سامنے ایک ہی ہیں، البتہ دماغ ہزاروں ہیں، ان کو دیکھ کر ایک دماغ خدا پرست ہو جاتا ہے، اور دوسرا گمراہ اور دہریہ بن جاتا ہے، غور کرو تو معلوم ہو گا کہ ایک ہی چیز ہے، جو

ہدایت کرنے والی اور گمراہ کرنے والی ہے، یا یوں کہوں کہ کائنات اپنی اصل کے لحاظ سے نہایت کرنے والی ہے، نہ گمراہ کرنے والی، تم اپنی عقل کے اختلاف سے ہدایت پاتے ہو، یا گمراہ ہو جاتے ہیں، تو گویا ایک ہی کائنات ہادی بھی ہے، اور مضل بھی، جس طرح خدا کے اس کام (مادہ) کے نتیجے ہیں اسی طرح خدا کے پیغام کے بھی دونوں نتیجے ہیں، اسی قرآن یا انجیل کو پڑھ کر ایک انسان خدا کو پہچانتا ہے، اور تسلی پاتا ہے، اور دوسرے کے دل میں شبہ پیدا ہوتے ہیں، فطرت آتے ہیں، اور انکار کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ پیغام ایک ہے، البتہال دو ہیں، اور یہ دونوں دل اور دونوں دماغ ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں، دو خالق نہیں ہیں، نتیجہ کیا نکلا، یہ نکلا کہ افعال کی دوئی فاعل کی دوئی دلیل نہیں، یہ تمام نیرنگیاں ایک ہی قدرت کے تلمشے ہیں، خیر و شر دونوں الہ کے ہاتھ میں ہیں، ہدایت اور ضلالت دونوں اُدھر ہی سے ہے

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا مِّنْ هَدًىٰ بِهِ
 كَثِيرًا، وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفٰسِقِيْنَ
 الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ بَعْدَ
 مِيثَاقِهِ وَيَقَطُّوْنَ مَا اٰتٰهُ اللّٰهُ
 بِهٖ اَنْ يُّوَصَّلَ وَيُفَيْسُوْا فِيْ الْاَرْضِ
 اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ
 (بقرہ - ۳)

اپنے اس کلام کے ذریعہ جو خدا بہتوں کو
 راہ راست نہیں دکھاتا اور یا گمراہ کرتا ہے اور
 بہتوں کو راہ راست دکھاتا ہے، انہی کو راہ راست
 نہیں دکھاتا جو خدا کے عہد کو باندھ کر توڑتے
 ہیں، جو اس کو کاٹتے ہیں، جس کے جوڑنے کا خدا نے
 حکم دیا ہے، اور جو زمین میں فساد کرتے ہیں،
 یہی ہیں گناہا، ٹھکانے والے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ
 ان آیتوں سے معلوم ہوگا کہ ہدایت اور ضلالت دونوں کی علت الععل

وہی ہے مگر دونوں کے لئے ابتدائی محرکات تمہارے ہی ہوتے ہیں، تم نے فسق کیا، قطع رحم کیا، فساد کیا، کفر کیا تو اس کے بعد ضلالت آئی، ضلالت پہلے، اور فسق و فجور بعد کو نہیں آیا۔

خدا نے انسان کو پیدا کیا، اور بتا دیا کہ یہ راستہ منزا مقصود کو جاتا ہے اور یہ عمیق غار میں ان کو لے جا کے گمراہ کرتا ہے، فرمایا

إِنَّا هَدَيْنَاكَ السَّبِيلَ إِنَّمَا شَاكِرًا
وَأَنَّا كَفُورًا (دھس)

ہم نے راستہ اس کو دکھا دیا، (تجاوہ پھر)
یا شکر گزار بن جاتا ہے، یا کافر بن جاتا ہے

تمام دنیا کی اچھی بری چیزوں کا وہی ایک خالق ہے، ارشاد ہوا:

اللَّهُ وَمَن يَكْفُرْ بِخَالِقِكُلِّ شَيْءٍ إِلَّا إِلَهُ
الْأَهْوَى (مؤمن)

اللہ تمہارا رب ہر چیز کا وہی خالق ہے
اس کے سوا کوئی اللہ نہیں

وَاللَّهُ وَمَن يَكْفُرْ بِخَالِقِكُلِّ شَيْءٍ إِلَّا إِلَهُ
الْأَهْوَى (صافات ۲۰)

اور خدا نے تم کو پیدا کیا اور جو تم بناتے ہو
اس کو پیدا کیا

لیکن

أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ مَّا خَلَقَهُ ثُمَّ قَدَى
رُطْبًا (۲)

اس نے ہر چیز کو اس کی صورت بخشی، پھر
ہدایت دے دی۔

اب تم ہو جو اس کو ہدایت اور ضلالت اور خیر و شر بتا لیتے ہو، اگر غلط راہ پر چلے تو ضلالت ہوئی، صحیح راہ پر چلے تو ہدایت ہوئی، صحیح معرفت میں استعمال کیا تو خیر، اور غلط استعمال کیا تو شر، ورنہ کوئی چیز اپنی اصل کی رو سے ہدایت ہے نہ ضلالت، خیر ہے نہ شر اس لئے خیر و شر وہ چیزیں سمجھ کر دو خدا کی ضرورت نہیں، بلکہ ایک ہی ہے، جو ان دونوں کا خالق ہے

عَلِّمِن خَالِقِ غَيْرِنَا اللَّهُ يَرْزُقُكُمْ
کہا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے وہی تم کو

بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ قَاتِي قُوَّةُ هُكُونِ
آسمان اور زمین سے روزی و تلبے
اس کے سوا کلمہ سمجھ نہیں، تو تم کہہ

(فاطر) اسٹے جاتے

خدا نے اپنا پیغام تمہارے پروردگروں کو دیا، اب تم ان کو مانو یا نہ مانو،

تَشْرَأُورِثْنَا الْكُتُبَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا
مِنْ بِيَادِنَا قَسَمْنَا ظَالِمًا لِنَفْسِهِ
وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ
بِالْخَيْرَاتِ يَا ذُنَّ اللَّهُ
پھر ہم نے کتب کا وارث ان کو بتایا جن کو
ہم نے اپنے ہنڈ میں سے چن لیا تو ان میں
کوئی اپنی جان اڑا کر تلبے، اور کوئی ان میں سے
بیچ کی چال چاہے، اور کوئی خدا کے حکم سے
خوبیاں لے کر لگے بڑھ جاتا ہے

(فاطر ۴۶)

اور جو پڑے تمہاری سمیت، سو اس کا بدلہ ہے
جو تمہارے ہنڈوں نے لایا، اور وہ سمان
کر تلبے بہت سی باتوں کو

وَمَا آتَيْنَاكَ مِنْ شَيْءٍ قَبِيحًا
كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ
(شوری - ۷۷)

ہر نفس میں نکلنے اس کی گنہگاری اور نیکیگاری
الہام کر دی ہے تو جس نے اس نفس کو پکی
کیا، اس نے کلمت پائی، اور جس نے اس کو
مٹی میں ملایا نہ کام ہوا۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ
أَفْضَحَ مَنْ ذَكَرَهَا وَقَدْ عَابَ
مَنْ دَسَّاهَا
(شمس)

۴۔ خدا کی عبادت ہر مذہب میں تھی اور ہے لیکن قدیم مذاہب میں ایک
عام غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ عبادت کا مقصود جسم کو تکلیف دینا ہے، یا دوسرے فعلوں
میں یہ کہو کہ یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جس قدر اس ظاہر کا جسم کو تکلیف دی جلتے گی،
اسی قدر روحانی ترقی ہوگی، اور دل کی اندرونی صفائی اور پاکیزگی بڑھے گی، اسی کا نتیجہ
یہ ہے کہ ہندوؤں میں عام طور سے جوگ اور عیسائیوں میں یہ بیانیہ پیدا ہوئی
اور بڑی بڑی مشکل ریاضتوں کا وجود ہوا، اور ان کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا

کوئی عمر بھر نہانے سے پرہیز کر لیتا تھا، کوئی عمر بھر ٹاٹ یا کیل اوڑھے رہتا تھا، کوئی ہر موسم میں یہاں تک کہ شدید جھاڑوں میں بھی ننگا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کھڑا رہتا تھا غار میں بیٹھ جاتا تھا کوئی ساری عمر دھوپ میں کھڑا رہتا تھا، کوئی عمر بھر کے لئے کسی چٹان پر بیٹھ جاتا تھا کوئی عہد کر لیتا تھا، کہ پوری زندگی صرف درختوں کی تپیاں کھا کر گزارے گا، کوئی عمر تجرو میں گزار دیتا تھا، اور قطع نسل کو عبادت سمجھتا تھا، کوئی ایک ہاتھ ہوا میں کھڑا رکھ کر سکھا ڈالتا تھا، کوئی جس دم یعنی سانس روکنے کو عبادت جانتا تھا، کوئی درخت میں اٹا لٹک جاتا تھا، یہ تھا اسلام سے پہلے خدا پرستی کا اعلیٰ درجہ اور روحانیت کی سب سے ترقی یافتہ شکل، پیغام محمدی نے اگر انسانوں کو ان معیبتوں سے نجات دلائی۔ اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں جسمانی تماشے ہیں، ہمارے خدا کو جسم کی شکل نہیں، بلکہ دل کا رنگ مرغوب ہے، طاقت سے زیادہ تکلیف اس کی شریعت میں نہیں

لَا تُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا خدا کسی کو جان کو اس کی وسعت سے زیادہ

حکم نہیں دیتا

(بقرہ - ۲۸)

اسلام نے اس رہبانیت کو بدعت قرار دیا اور کہا

وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ اور رہبانیت جس کو انہوں نے (جیسا تیوں) نے دین میں داخل کر دیا، ہم نے ان پر اس کو فرمن نہیں کیا تھا،

(حدید - ۳۸)

اور آنحضرت صلعم نے اعلان کیا،

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ (ابورؤد) اسلام میں رہبانیت نہیں

جن لوگوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی جائزہ توں کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا

ابن سے قرآن نے سوال کیا :-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي

کہو کس نے اللہ کی آرائش جس کو اس نے

أَخْرَجَ يُعْبَادِي، (اعراف ۴) اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا، حرام کی
یہاں تک کہ خود پیغمبر اسلام علیہ السلام نے ایک دفعہ اپنے اوپر شہد حرام کر لیا
تو تنبیہ ہوئی :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ
اللَّهُ لَكَ (تحریم ۱) کیا ہے اہل حرام کیوں کرتا ہے
پیغام محمدیؐ نے سب سے پہلی دفعہ دنیا کر لیا کہ عبادت کا تصور فقط ایک
ہے اور وہ یہ کہ بندہ خدا کے آگے اپنی بندگی کا اقرار کرے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي
سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ ذَاخِرِينَ (مومن ۳۰) جہنم میں ذل کے ساتھ داخل ہوں گے
یعنی عبادت یہی ہے کہ بندہ میں سرکشی نہ لے لے ایسی چیز عبادت کے مختلف
ارکان کو بجالا کر انسان ظاہر کرتا ہے، کہ وہ خدا کی سرکش نہیں بلکہ اس کا اطاعت
گزار اور فرمانبردار ہے

اسلام میں عبادت کی غایت اور نتیجہ کیا ہے بالکل حصول تقویٰ۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ (بقرہ ۲۱) تم کو تقویٰ حاصل ہو

نماز سے فائدہ یہ ہے کہ

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ

وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت ۴۵) سے روکتی ہے

روزوں سے مقصود یہ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

لِلسلماء انتم پر اسی طرح روزہ فرض کیا

الصِّيَامُ كَعَاكِبٍ عَلَى الذَّيْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (دیکھو، ۲۳۸) تاکہ تم کو تقویٰ حاصل ہو

حج سے مطلب یہ ہے :

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَاطِنِ الْأَعْيَانِ (حج، ۳۱) تاکہ اپنے نفع کی جگہوں پر لوگ پہنچیں، اور تاکہ اللہ نے ان کو دی ہے اس پر اللہ کو یاد کریں

زکوٰۃ سے مقصود، اپنے دل کی صفائی اور غریبوں کی مدد ہے۔
الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا إِتْعَانًا وَوَجْهًا لِلَّهِ الْأَعْلَىٰ (اللیل)

نکاح کرنا، اور نسل کو ترقی دینا اسلام کے پیغمبر کی سنت ہے، آپ نے فرمایا
النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ رَغِبَ عَنِ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي (عراق میرا طریقہ ہے، اور میں نے میرے طریقہ سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں)

قرآن مجید نے اولاد و ازواج کو آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا، اور مسلمانوں کو اس خواہش کا تسنی قرار دیا
وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَدْوَانِنَا ذُرِّيًّا طَيِّبًا إِنَّهُمْ قَوْمٌ مُشْكِرُونَ (الضحقان ۶۵)

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خداوند! ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں کے ذریعہ سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر
منجد دوسری عبادتوں کے ایک عبادت قرآنی بھی تھی لوگ اپنے آپ کو دیوتاؤں پر قربان کر دیتے، اپنی اولاد کو اپنی ملک سمجھتے اور ان کو بھینٹ چڑھا دیتے تھے دیوتاؤں کو خون کے پھیٹے دیے جاتے تھے، جو جانور قربانی کئے جاتے تھے ان کا گوشت

بیایا جانا تھا، کہ اس کا دھواں دیوتاؤں کو خوش آتا تھا یہودی اسی لئے قربانی کے گوشت کو جلاتے تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر بتایا کہ قربانی سے مقصود کیا ہے، آپ کے پیغام نے انسانوں کی قربانی ظناً موصوف کر دی، جانوروں کی قربانی جائز رکھی، مگر نہ تو ان کے خون کے چھینے دینے کا حکم دیا، اور نہ گوشت کے جلانے کا، اس نے قربانی کی مصلحت یہ بتائی

وَالَّذِينَ جَعَلْنَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ
اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ خَلَا كَسُودَا
اسْمِ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَّافٌ فَإِذَا
وَجِبَتْ لَكُمْ فِيهَا فَكُلُوا مِنْهَا
الْقَانِعِ وَالْمُعْتَرِ كَذَلِكَ سَخَّرْنَا
لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ لَنْ
يَتَنَا اللَّهُ لِنَحْمَدَهَا وَلَا
بِمَا عَزَّهَا وَلَكِنْ يَتَنَا لَمْ
التَّقْوَى مِنْكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرْنَا
لَكُمْ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا
هَذَا بَكُمْ وَبِئْسَ الْفَاطِنِينَ
(حج - ۵)

اور حج گزارانیوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے نام کا نشانی بنائی، تمہارے لئے ان قربانیوں میں بھلائی ہے، تو ان پر اللہ کا نام پڑھو قطار باندھ کر ادھب وہ ذبح ہو چکیں تو ان میں سے کچھ تم لو کھاؤ، اور باقی ماہر اور بے قرار غریبوں کو کھلا دو، اسی طرح ہم نے یہ جانور تمہارے بس میں دیدیئے ہیں تاکہ تم ہمارا شکر ادا کرو، ہر گوا اللہ کو ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، لیکن تمہارے دل کا تقویٰ اس کو پہنچتا ہے، اسی طرح ان کو تمہارے بس میں دیا تاکہ تم اس بات پر کہ خدا نے تم کو راہ بھجائی، اس کی بڑائی کرو، اور نیکی والوں کو دے بغیر، بشارت سنا مے

اسی قربانی کے غلط عقیدہ نے یہ سلسلہ پیدا کر دیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی جان پر آپ قابو ہے، اور وہ اس کی ملکیت ہے، اہل طرح اس کی اولاد کی جان بھی اس کی ملکیت ہے، بیوی کی جان اس کے شوہر کی ملکیت ہے، اس ایک غلط اصول نے خود کشی، دختر کشی، اولاد کو بھینٹ پڑھا دینا یا ان کو مار ڈالنا، اور شوہر کے سر سے

کے بعد بیوی کا سستی ہو جانا، سینکڑوں انسانیت کش رسوم پیدا کر دیئے تھے، پیغام محمدی نے ان سب کی زیغ کنی کر دی، اس نے اپنا اصول یہ مقرر کیا کہ تمام جانیں صرف خدا کی ملکیت ہیں، اور ان کا قتل صرف خدا کے حق کی بنا پر ہو سکتا ہے اسی لئے غیر خدا کے نام پر جو جانور ذبح کیا جائے اس کا کھانا ناجائز ہے،

خودکشی کرنے والوں پر اپنی جنت بھی اس نے حرام کر دی، اسلام کے سوا تمام دنیا میں اور اس وقت بھی یورپ اور امریکہ جیسے مہذب ملکوں میں مشکلات سے بچنے کی بہترین تدبیر خودکشی بھی جاتی ہے، قانون اس کو روکنا چاہتا ہے اور نہیں روک سکتا کیونکہ ہر شخص اپنی جان کو اپنی ملکیت سمجھ رہا ہے اور اس کو دنیا کی مصیبتوں سے چھٹکارے کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس موت کے بعد یا تو کوئی زندگی نہیں، اور اگر ہے بھی تو خدا ہم سے ہمارے فعل کی کچھ باز پرس نہ کرے گا، مگر اسلام نے بتایا کہ ہر جان ہماری نہیں بلکہ خدا کی ملکیت ہے، اور اس لئے خودکشی کے ذریعہ سے مصیبتوں سے چھٹکارے کا خیال غلط ہے، کیونکہ اس طرح سے اپنی جان دینے پر دوسری دنیا میں مصیبتوں سے بھی زیادہ پُرمصیبت زندگی شروع ہو جائے گی

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَوَّاهُ اللَّهُ
إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا وَ مَنْ
يَفْعَلْ ذَلِكَ مُدْرِنًا وَّ ظُلْمًا
فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا ۗ
(نساء - ۷۷)

اور نہ مارو جان جو منع کی ہے اللہ نے مگر حق پر اور اپنے آپ کو نہ مارو، بے شک خدا تم پر مہربان ہے اور اس لیے مہربانی سبب سے تم کو یہ حکم دیتا ہے اور جو خدا کے حکم سے آگے بڑھو اور اپنے آپ پر ظلم کر کے ایسا کرے گا تو ہم اس کو دوزخ کی آگ میں بٹھائیں گے

دختر کشی عرب میں جاری تھی، ہندوستان کے راجپوتوں میں جاری تھی، دنیا کے ملکوں میں جاری تھی، عرب میں تو یہ سنگدلی تھی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، پیغام محمدی کے ایک فقرہ نے اس رسم باطل کا ہمیشہ

کے لئے خاتمہ کر دیا۔

وَاِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ
اور میں دن زندہ دفن کی جانے والی لڑکی سے

ذَنْبٍ قُتِلَتْ، (تکوین) پوچھا جائیگا کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی

اپنی اولاد کو قتل کرنا، عرب میں جرم نہ تھا، آج بھی اس تہذیب کے عالم میں سے کثرت سے بچے اس لئے قتل کر دیے جاتے ہیں کہ ان کی پرورش کا پاس سامان نہیں کیا جاتا ہے کہ لک کی پیداوار کم ہے، اس لئے مردم شماری بڑھنے سے روکتا چاہیے، عرب میں اور دوسری قوموں کے قانون میں بچہ کے بیٹ سے گرا دینے یا ایسے بچہ کے قتل پر کوئی پکڑ نہیں تھی، یونانی میں نو سو لوز بچوں کا معائنہ کیا جاتا تھا اور ان میں سے کمزور بچوں کے بیٹے کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا، اس کو پہاڑ سے نیچے گرا کر مار ڈالتے تھے، اور آج بھی ضبط تولید برتھ کنٹرول کے نام سے یہی کچھ کہا جا رہا ہے اسلام نے یہ اصول بنایا کہ روزی کوئی کسی کو نہیں دیتا، وَمَا مِنْ دَائِبَةٍ

إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ کہل چلنے والا نہیں، لیکن اس کی روزی خدا پر ہے

اس لئے اس نے کہا

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ حَتَّىٰ تَبْلُغُوا أَهْلَ الْحُلُمِ
اپنی اولاد کو غلطی کے ڈر سے نہ مارنا، اہم رضی

حَتَّىٰ تَبْلُغُوا أَهْلَ الْحُلُمِ وَإِن كُنْتُمْ
دیتے ہیں ان کو اہم کو، بیشک ان کا مارنا

كَانَ خَطَا كَبِيرًا مِّنْ أَسْرَائِلِ، بڑی غلطی ہے

دنیا کی عظیم الشان غلطیوں میں سے، جو اب بھی دنیا کے اُس حصہ میں قائم

ہیں، جہاں محمد صلعم کا پیغام قبل نہیں کیا گیا، ایک یہ ہے کہ لوگوں نے خدا کے بندوں

کے درمیان حسب و نسب، الاموال، رنگ روپ، صورت و شکل کی دیواریں قائم

کر دی ہیں، ہندوستان نے ابتداء سے آج تک اپنے سوا سب کو پلجہ اور ناپاک قرار

دیا، اور خود اپنے کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کی

شوروں کو مذہب کا بھی حق نہ تھا، قدیم ایران میں بھی یہ چار ذاتیں اسی طرح قائم تھیں
 روغن نے اپنے کو آٹائی اور اپنے سوا سب قوموں کو غلامی کے لئے مخصوص کر لیا،
 بنی اسرائیل نے صرف اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دیا، اور سب کو جیستل و چنٹل
 قرار دیا، اور خود اپنی قوم کے اندر بھی مختلف بیر دنی مداح قائم کر دیئے، خود یورپ کا
 اس تہذیب اور انسانی محبت و مساوات کے دعویٰ کے باوجود کیا حال ہے،
 سپید آدمی تہذیب و تمدن کا تھیکہ ولد اور اس بارگراں کا امین قرار دیا گیا ہے، کالی
 قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں ہیں، ایشیائی قومیں رہ بھی نہیں سکتیں اور ان کے
 ساتھ سفر میں بھی ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتیں، بعض ملکوں میں ان کے محلوں کو آڑ میں
 ہی رہ نہیں سکتیں، اور ان کے حقوق کی برابری نہیں کر سکتیں، امریکہ کے انسانیت پرستوں
 کی نگاہ میں وہاں کے حبشی باشندوں کو جینے کا بھی حق نہیں ہے، اور جنوبی و مشرقی
 افریقہ میں حبشیوں بلکہ ہندوستانیوں بلکہ ایشیائیوں کو بھی انسانی حقوق کی برابری نہیں
 مل سکتی، حقوق دنیاوی سے گزر کر یہ تفرقہ خدا کے گھروں میں بھی قائم ہیں، کالوں کے
 گرجے الگ ہیں، اور گوروں کے الگ، خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے
 ایک ساتھ ایک خدا کے آگے نہیں جھک سکتے، پیغام محمدی نے ان تمام تفرقوں کو مٹا
 دیا اس کے نزدیک حسب و نسب، مال و دولت، شکل و صورت ان میں سے کوئی چیز
 امتیاز نہیں پیدا کر سکتی، وہ قریش میں کو اپنے حسب و نسب پر فرود و ناز تھا، فتح مکہ
 کے دن کعبہ کے حرم میں کھڑے ہو کر ان کو آپ نے یہ بتایا

یا معشر قریش ان اللہ قد اذہب
 عنکم نخوة الجاهلیة و تعظیما
 بالاباء الناس من آدم و ادم
 من قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا فرود
 اور حسب کا فرود خدائے مٹا دیا، تمام انسان
 آدم کی نسل سے ہیں، اور آدم شی سے
 من تراب، (ابن ہشام)

حجۃ الوداع کے جمع میں پھر اعلان کیا۔

لیس للعر بی فضل علی العجسی وکلا
عرب کو عجم کرب پر کوئی فضیلت نہیں ہے
العجسی فضل علی العربی کلکم بناء
تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو اور
آدم وادم من توأب (سندھم)
آدم مٹی سے بنتے تھے

پھر بتایا کہ اصلی فرق عمل کا ہے

ان اللہ اذہب عنکم عبیۃ
خدا نے جاہلیت کے زمانہ کے غرور اور
الجماعلیۃ وفتح ما بالایا و انما هو
نسب کے لڑکھٹا دیا، انسان اب مستحق
مومن تقی و فاجر شقی، الناس کلم
ایماندار ہے اور یا گنہگار بد بخت ہے
بنواد مرواد مخلق من توأب
تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں، اور آدم مٹی
(توحیدی و ابوداؤد)
سے پیدا ہوتے تھے

وحی محمدی نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے بتایا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ
ہے انسان تمام سب کو خدا نے ایک ہی مرد
وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعْرًا وَأَذْنَ لِيْ
محدث سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
خاندان خاندان صرف اس سے بنا دیا ہے تاکہ
أَتْقَىٰ
ایک دوسرے کو پہچان سکو خدا کے نزدیک سب سے
شریف ہے، جو زیادہ پرہیزگار ہے
(حجرات - ۲۷)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا

وَمَا آصُوا الْكُفْرَ وَلَا أَوْلَادَكُمْ بِالَّذِي
نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے
تَقَرَّبَ بِكُمْ عِنْدَ نَارِ نَعْنَى الْأَمْنِ
جو تمہارا اور تمہارے پاس نزدیک کر دے، لیکن
وَعَمَلٌ صَالِحًا وَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ
جو کوئی اہل ایمان لایا، اور اس نے اچھا کام کیا ان
الْقِصْفِ بِمَا عَمِلُوا رِيبًا ع ۵۱
کو اپنے کام کا دونا بدلے گا

تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا، اور یہ پیغام ملا کہ اِنَّمَا التَّوَّابُونَ
 اِخْوَةٌ تَمَامِ سَلْمَانَ بھائی بھائی ہیں،، اور آپ نے اسی کے مطابق حجۃ الوداع میں
 ایک لاکھ انسانوں کے سامنے یہ اعلان کیا، کہ المسلم اخو المسلم۔ ہر مسلمان
 دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اس برابر ہی اور برداری نے کلے گورے،
 عجم، عربی، ترک، تاتاری، زنگی، اور فرنگی کا فرق اٹھا دیا، اور خدا نے ان پر اپنا
 یہ احسان بتایا، کہ اِنَّمَا مَبْتَعُونَ دِينِ عَمَّتِهِ اِخْوَانًا، خدا کے فضل سے تم سب
 کے سب اب بھائی بھائی ہو گئے ہیں خدا کے گھر میں کوئی فرق نہیں، حسب و نسب
 کا کوئی فرق نہیں، پیشہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں، غربت اور امارت کا کوئی فرق
 نہیں، خدا کے آگے سب برابر ہیں، یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شہور، قرآن سب کے
 ہاتھ میں دیا جائے گا۔ نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی۔ رشتہ ناتا ہر ایک کا ہو سکتا
 ہے۔ علم ہر ایک کا حق ہے اور حقوق سب کے یکساں ہیں۔ یہاں تک کہ خون بھی سب
 کا برابر ہے۔ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ جَانِ كَيْدِ جَانٍ۔
 تیرے دربار میں آئے تو کبھی ایک ہوتے

عزیز نوجوانو! میرا دل چاہتا تھا کہ تمہارے سامنے پیغام محمدی کے احسان
 ایک ایک کر کے گناہوں، مگر افسوس کہ بقدرِ رخصت نہیں، اور اس بھرتا پیدا
 کنار کی تھلا بھی نہیں، عورتوں کو جو حقوق پیغام محمدی نے دیے ہیں، اور ظالموں کو
 جس حد تک اس نے عزت دی ہے وہی چاہتا تھا کہ اس کو بھی تمہارے سامنے
 پھیلاؤں اور دکھاؤں کہ یورپ باایں ہمہ دعوے بلند ہی، ہنوز اسلام کے اوج
 خیال سے نیچے ہے، مگر افسوس کہ وقت نہیں

دنیا میں جس چیز نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی، وہ دین اور دنیا کا فرق
 ہے، دین کا کام الگ کیا گیا، اور دنیا کا کام الگ، خدا کا حکم الگ ٹھہرایا گیا
 اور قیصر کا حکم الگ، دنیا کے حصول کا الگ راستہ بتایا گیا، اور دین کے حصول کا

آگ، نونساکن اسلام! یہ سب سے بڑی غلطی تھی، جو دنیا میں پھیلی تھی، اس غلطی کا پردہ پیغام محمدی کی نورانگن شعاعوں نے خاک کر دیا، اس نے بتایا کہ اخلاص اللہ نیک نعتی کے ساتھ اسی دنیا کے کاموں کو خدا کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق انجام دینا ہے یعنی خدا کے اصول کے مطابق دنیا داری ہی دنیا داری ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ ذکر و فکر گوشہ نشینی و عزت گیری کسی غار اور پہاڑ کے کھوہ میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنا دین داری ہے، اور وصیت و احباب، آل و اولاد، ماں باپ، قوم و ملک اور خود اپنی آپ مددگار معاش اور پرورش اولاد دنیا داری ہے، اسلام نے اس غلطی کو مٹایا اور بتایا کہ خدا کے مطابق ان حقوق اور فرائض کو بخوبی ادا کرنا بھی دین داری ہی ہے

اسلام میں نجات کا مدار معجزوں پر ہے، ایمان اور عمل صالح، ایمان، پانچ معجزوں پر اعتماد رکھتے کا نام ہے، خدا پر شکی کی راہ بتانے والے پیغمبروں پر، پیغمبروں تک خدا کا پیغام لانے والے فرشتوں پر، ان کتابوں پر جن میں خدا کے یہ پیغام ہیں۔ اس پیغام الہی کی طاعتی عمل کرنے یا نہ کرنے والوں کی حسرت اور سزا، انہی پانچ باتوں پر یقین رکھنا ایمان ہے، اسی ایمان پر عمل کی بنیاد قائم ہے کیونکہ اس ایمان و یقین کے بغیر نیک نعتی اور علوم کے ساتھ کوئی عمل نہیں ہو سکتا، دوسری چیز عمل ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے کام صالح اور نیک ہوں، عمل کے جیسا کہ میں نے ساتویں خطبہ میں کہا ہے، تین حصے ہیں، ایک عبادات یعنی وہ عمل جن کے ذریعہ خدا کی بڑھائی اللہ بندہ کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے، دوم معاملات یعنی انسانوں کے آپس کے لین دین، کاروبار اور تنظیمات کے قوانین اور قاعدے جن کی وجہ سے انسانی معاشرت بربادی اور ہلاکت سے بچی رہتی ہے، اور ظلم مٹ کر عدل قائم ہوتا ہے، اور سوم اخلاق، یعنی وہ حقوق جو باہم ایک دوسرے پر گونا گونی حیثیت سے

فرض نہیں ہیں، مگر روح کی تکمیل اور معاشرت کی ترقی کے لئے ضروری ہیں انہی چار چیزوں یعنی ایمان، عبادات، معاملات، اور اخلاق کی سچائی اور درستی ہماری نجات کا ذریعہ ہے

نوجوانو! مجھے صفائی کے ساتھ یہ کہنے دو کہ خاموشی، سکون، خلوت نشینی اور منفردانہ زندگی اسلام نہیں ہے اسلام جدوجہد، سعی و عمل اور سرگرمی ہے، وہ موت نہیں حیات ہے، اس کا فرمان یہ ہے

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (نجم ۳۰)

انسان کے لئے وہی ہے جو وہ کوشش کرے

اور

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ (مذہب ۱)

ہر جان اپنے کام کے ہاتھوں گروہ ہے

اسلام سرتاپا جہاد اور مجاہدہ ہے لیکن خلوت میں بیٹھ کر نہیں بلکہ میدان میں نکل کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے سامنے ہے، خلفائے راشدین کی زندگی تمہارے سامنے ہے۔ عام صحابہ کی زندگی تمہارے سامنے ہے اور وہی تمہارے لئے نمونہ ہے اور اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اور وہی تمہارا ذریعہ فلاح ہے اور وہی ترقی اور سعادت کی راہ ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام بوردہ کے پیغام کی طرح ترک خواہش نہیں ہے بلکہ تقسیم خواہش ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حضرت مسیح کے پیغام کی طرح دوست اور قوت کی تحقیر اور مخالفت نہیں ہے بلکہ ان کے حصول اور صرف کے طریقوں کی درستی اور اس کے صحیح استعمال اور صرف کی تعمین ہے

دوستو! ایمان اور اس کے مطابق عمل صالح ہی اسلام ہے، اسلام عمل ہے، ترک

عمل نہیں، ادائے واجبات ہے، عدم واجبات نہیں، اولتے فرض ہے، ترک فرض نہیں، اس عمل اہل واجبات اور فرائض کی تشریح تمہارے پیغمبر اور ان کے یاران باصفائی زمرہ کی اور سیرتوں میں ملے گی، جس کا نقشہ یہ ہے

محمد خدا کے رسول اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهُ

وہ کافروں پر بھاری، آپس میں رحمت میں ان کو دیکھو

اَشِدَّاءُ عَلٰی الْكٰفِرِيْنَ رَحِيْمًا عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ

تَوَاصِرُكُمْ تَقَاتِبُوا سَبْعًا يَسْتَعْمِلُونَ فَضْلًا
 مِمَّا آتَاكُمْ مِنَ اللَّهِ بِرِضْوَانٍ، (قسم - ۳)

مگے کہ وہ رکعت اور سجدہ میں ہیں، وہ خدا کی مہربانی اور خوشنودی کو اٹھونڈھ رہے ہیں

کافران حق کے ساتھ جہاد بھی قائم ہے، آپس میں برادری الفت کے جذبات بھی ہیں
 کے سامنے رکوع میں ٹھکے اور سجدہ میں گرے بھی ہیں، اور پھر وہ بائیں خدا کی مہربانی اور رضا کے
 طالب بھی ہیں، خدا کی مہربانی، (فضل) قرآن پاک کی اصطلاح میں روزی اور معاش کو کہتے ہیں، اس
 روزی اور معاش میں بھی دین کی طلب جاری ہے

وَبِجَالٍ لَا تَكْفِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا مَيْمٌ مِّنْهُنَّ
 فَوَكِّرِ اللَّهُ، (فوس - ۵)

یہ وہ لوگ ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت خدا
 کی داد سے نافی نہیں کرتی

تجارت، خرید و فروخت اور کاروبار بھی جاری ہیں اور خدا کی یاد بھی قائم ہے، وہ ایک کو
 چھوڑ کر دوسرے کو نہیں ڈھونڈتے، بلکہ دونوں کو راز ساتھ
 رکھے جاؤ شریعت در کئے مذاں عشق

مسلمانوں اور رویوں میں جنگ ہے، صحابہ نوح کے سپاہی ہیں، رومی سپہ سالار
 مسلمان سپاہیوں کی حالت دیکھنے کے لئے اسلامی کیپ ہی چند جاسوس بھیجتا ہے، وہ یہاں
 مسلمانوں کو دیکھ کر واپس جلتے ہیں تو مرنے یا اثر میں ڈوب جاتے ہیں، وہ جا کر رومی سپہ سالار
 کو بتاتے ہیں کہ مسلمان کیسے سپاہی ہیں، «ہر باللیل رہیان وبالنہار فوسان»
 وہ راتوں کے راہب ہیں اور دن کے شہسوار۔ یہی اسلام کا اصل زندگی ہے

حضرات! آج سلسلہ تقریر کا آخری دن تھا، میرا بال تھا کہ میں آٹھ تقریروں میں سیرت
 محمدی اور پیغام محمدی کے متعلق سب کچھ کہ سکوں گا، مگر آٹھ تقریروں کے بعد بھی موضوع تفصیل
 کا تشنہ ہے، سب کچھ کہا مگر کچھ بھی نہ کہا

دفتر تمام گشت دیپایاں رسپہ
 ماہ پیمان در اول وصفت زمانہ ایم